# حیاتِ حافظ

یعنی سوانح عمری خواجہ حافظ شیرازیؒ

مؤلفہ

شمس العلماء مولٰنا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

جس میں

نام و نسب بچپن۔ سن رشد۔ اور شاعری کی شہرت
وفات اور اولاد دنیاوی تعلقات۔ کلام پر رائے۔
غزل۔ اساتذہ کا تتبع۔ خواجہ صاحب کی خصوصیات
جوش بیان بدیع الاسلوبی۔ واردات عشق۔ فلسفہ۔
فلسفہ اخلاق۔ واعظین کی پردہ دری۔ روزمرہ و محاورہ
خوشنوائی۔ بندش کی چستی ظرافت وغیرہ

حسب فرمایش
حافظ شریف حسین تاجر کتب دہلی
باہتمام شیخ نذیر حسین تاجر کتب
رحمانی پریس دہلی میں چھپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# خواجہ حافظ شیراز

تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہیں ہو سکتا کہ خواجہ حافظ کے حالات زندگی اس قدر کم معلوم ہیں کہ تشنگان ذوق کے لب بھی تر نہیں ہوسکتے آموٹی یہ کا شاعر یورپ میں پیدا ہوا ہوتا تو اس کثرت اور تفصیل سے اسکی سوانحعمریاں لکھی جاتیں کہ اسکی تصویر کا ایک ایک خدوخال سامنے آجاتا، لیکن ہمارے تمام تذکرہ نویسوں نے جو کچھ لکھا ان سب کو جمع کردیا جائے، تب بھی انکی زندگی کا کوئی پہلو نمایاں ہوکر نہیں نظر آتا، جس قدر تذکرے ہیں سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں اور نہی چند واقعات ہیں جنکو بہ اختلاف الفاظ سب نقل کرتے آئے ہیں، ان سب میں عبدالنبی فخرالزمانی نے اپنے تذکرہ میخانہ میں جو جہانگیر کے عہد میں ۱۰۳۶ھ میں لکھا گیا، ابتدائی حالات اوروں کی بہ نسبت اچھے بہم پہونچائے ہیں، حبیب السیر میں جستہ جستہ کچھہ واقعات ملتے ہیں خود حافظ کے کلام میں جابجا واقعات کے اشارے ہیں ان سب کو ترتیب دیکر انکی زندگی کی تصویر کھینچتا ہوں، لیکن درحقیقت یہ تصویر نہیں بلکہ خاکہ ہے اور زیادہ سچ یہ ہے کہ خاکہ بھی نہیں بلکہ محض چند لکیریں ہیں۔

خواجہ صاحب کے دادا، اصفہان کے مضافات کے رہنے والے تھے اتابکان شیراز کے زمانہ میں آئے اور وہیں سکونت اختیار کی، خواجہ صاحب کے والد کا نام بہاؤالدین تھا انہوں

نے یہاں تجارت شروع کی اور کاروبار کو اس قدر ترقی دی کہ دولتمندوں میں ان کا شمار
ہونے لگا بہاؤالدین نے جب انتقال کیا تو تین بیٹے چھوڑے انکو اگرچہ باپ سے بہت بڑا ترکہ ملا
تھا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ نہ تھا چند روز میں باپ کی کمائی سب اڑگئی بیٹے پریشان ہوکر کہیں
کے کہیں نکل گئے، لیکن خواجہ صاحب کمسنی کی وجہ سے اپنی ماں کے ساتھہ شیراز ہی میں رہ گئے
گھر میں فاقے ہونے لگے تو انکی ماں نے ان کو محلہ کے ایک آدمی کے حوالہ کردیا کہ اپنی خدمت میں رکھے
اور کھانے پینے کی کفالت کرے لیکن یہ شخص بداطوار تھا خواجہ سن شعور کو پہنچے تو اسکی صحبت
ناگوار ہوئی چنانچہ اس سے قطع تعلق کرکے خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا، آدہی رات سے اٹھکر صبح
تک خمیر گوندھتے گھر کے پاس ہی ایک مکتب خانہ تھا محلے کے سب لڑکے اسمیں پڑھتے تھے، خواجہ
صاحب اکثر ادہر سے نکلتے تو دلمیں تعلیم کی تحریک پیدا ہوتی، رفتہ رفتہ شوق اس قدر بڑھا کہ مکتب
میں داخل ہوگئے، خمیر سے جو کچھہ حاصل ہوتا اس میں سے ایک تہائی ماں کو اور ایک معلم کو دیتے
بقیہ خیرات کرتے، مکتب میں قرآن مجید حفظ کیا، معمولی سوادخوانی کی بہی لیاقت حاصل کی
اس زمانہ میں شعر و شاعری کا گہر گہر چرچا تھا محلے میں ایک بزاز رہتا تھا، وہ سخن سنج اور موزوں
طبع تھا، اس مناسبت سے اور ارباب ذوق بھی اسکی دوکان پر آبیٹھتے تھے، اور شعر و سخن کے
چرچے رہتے تہے، خواجہ صاحب پر بہی اس مجمع کا اثر ہوا، چنانچہ شاعری شروع کی لیکن طبیعت
موزوں نہ تھی بے تکے شعر کہتے اور لوگوں کو تفریح طبع کا سامان ہاتہہ آتا، رفتہ رفتہ انکی لغوگوئی
کی شہرت تمام شہر میں پہیل گئی، لوگ تفریح کے لئے انکو صحبتوں میں بلاتے اور لطف اٹہاتے
دو سال تک یہی حالت رہی لوگوں کا استہزا حد سے بڑھا تو انکو بہی احساس ہوا ایکدن نہایت
رنجیدہ ہوئے اور باباکوہی کے مزار پر جاکر پہوٹ پہوٹ کر روئے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک
بزرگ ان کو لقمہ کہلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا اب تجھپر تمام علوم کے دروازے کہل گئے، نام دریافت
کیا تو معلوم ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام ہیں صبح کو اٹہے تو یہ غزل لکھی،

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند | وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

شہر میں آئے تو لوگوں نے حسب معمول شعر پڑھنے کی فرمائش کی اُنہوں نے وہی غزل پڑہی سبکو حیرت ہوئی اور سمجھے کہ کسی سے یہ غزل لکھوالی ہو، امتحان کے لئے طرح دی، انہوں نے طرح میں عمدہ غزل لکھی، اسی وقت گھر گھر چرچا پھیل گیا۔

یہ تمام واقعات عبد النبی نے میخانہ میں لکھے ہیں اس میں اگرچہ خوش اعتقادی اور وہم پرستی نے بعض باتیں بڑہا دی ہیں یا اصل واقعات کی صورت بدل دی ہو تاہم بہت کچھہ اصل واقعات ہی ہیں۔ خواجہ صاحب کے کمالات اور شاعری کا چرچا عام ہوا، دور دور سے سلاطین اور امرا نے انکے بلانے کے لئے خطوط بہیجے، خواجہ صاحب کے زمانہ میں شیراز میں متعدد حکومتیں قایم ہوئیں اور حسن اتفاق یہ کہ فرمانروا عموماً خود صاحب علم وفضل اور علما اور شعرا کے نہایت قدر دان تہے غازان خاں (چنگیز خاں کا پوتا) کے زمانہ میں غازان کی طرف سے محمد شاہ انجو فارس اور شیراز کا حکمراں مقرر ہو کر آیا تہا، اِسکے خاندان میں سے شاہ ابو اسحاق خواجہ حافظ کے زمانہ میں تھا، وہ نہایت قابل اور فاضل تہا، خود شاعر اور شعرا کا مربی اور قدردان تھا اسکے ساتھ نہایت عیش پرور اور لہو لعب کا دلدادہ تھا اس بنا پر اگرچہ ملکی انتظامات بے اصول تہے لیکن گھر گھر عیش و نشاط کے چرچے تہے، اور شیراز باغ ارم بن گیا تہا، خواجہ حافظ کی مستانہ غزلوں میں اس دور کا اثر شامل ہے۔

شاہ ابو اسحاق کی عیش پسندی حد سے بڑہ گئی تو ۷۵۴ھ میں محمد مظفر نے اس پر لشکر کشی کی فوجیں شہر پناہ کے دامن میں آگئیں لیکن ابو اسحاق کو کوئی شخص خبر نہیں کر سکتا تہا امین الدین نے کہ مقرب خاص تھا، ابو اسحاق سے کہا کہ جوش بہار نے شہر کو چمنستان بنا دیا ہے حضور ذرا بالاخانہ پر چلکر سیر فرمائیں۔ ابو اسحاق نے بالاخانہ پر چڑھکر دیکھا تو چاروں طرف فوجیں پھیلی ہوئی ہیں پوچہا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ شاہ مظفر کا لشکر ہے مسکرا کر کہا عجب احمق ہو اس بہار میں یوں اوقات خراب کرتا ہے یہ شعر پڑھ کر نیچے اتر آیا۔

بیا تا یک امشب تماشا کنیم | چو فردا شود، فکر فردا کنیم

غرض مظفر نے شیراز فتح کر لیا، اور شاہ ابو اسحاق کو قتل کر دیا گیا، خواجہ صاحب کو سخت رنج ہوا، چنانچہ ایک قطعہ لکھا جس میں اس عہد کے تمام ارباب کمال کا تذکرہ کیا

بہ عہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق | بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد
نخست بادشہے ہمچو او ولایت بخش | کہ گوئے فضل ربود او، بہ عدل بخشش و داد
دوم بقیہ ابدال شیخ امین الدین | کہ بود دخل اقطاب و مجمع اوتاد
سوم چو قاضی عادل اصیل ملت و دیں | کہ قاضی بہ از و آسماں ندارد یاد
دگر قاضی فاضل عضد کہ در تصنیف | بنای شرح مواقف بنام شاہ نہاد
دگر کریم چو حاجی قوام دریا دل | کہ او بہ جود چو حاتم ہمی صلا در داد
نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند | خدائی عز و جل جملہ را بیامرزاد

شاہ ابو اسحاق کے مرنے کا صدمہ، خواجہ صاحب کو مدت تک رہا، غزلوں میں بے اختیار ابو اسحاق کا نام زبان پر آجاتا ہے۔

راستی خاتم فیروزہ بو اسحاقی | خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

ابو اسحاق کے بعد محمد بن مظفر مبارز الدین شیراز و فارس کا حکمراں ہوا وہ اصل میں خراسان کا باشندہ تھا جس زمانہ میں سلطان ابو سعید نے وفات پائی اور طوائف الملوکی شروع ہوئی تو اس نے ۷۴۱ھ میں فوجیں فراہم کر کے آس پاس کے مواضع پر حملہ شروع کیا سب سے پہلے یزد پر قبضہ کیا رفتہ رفتہ اسکے حدود حکومت نہایت وسیع ہو گئے محمد بن مظفر نہایت متقشف تھا، تخت نشین ہونیکے ساتھ ہر جگہ محتسب مقرر کئے اور تمام میخانہ بند کرا دیے، تذکرہ تقی الدین حسینی میں لکھا ہے کہ خواجہ حافظ نے اسی واقعہ پر یہ غزل لکھی ہے

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است | بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است
در آستین مرقع، پیالہ پنہاں کن | کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز است

زرنگ بادہ بشوئید خرقہا از اشک — کہ موسم ورع و روزگار پرہیز است

خواجہ صاحب کے دیوانوں میں یہ غزل ہے جو شراب خانوں کے بند ہونیکا پرا ثر مرثیہ ہے

بود آیا کہ در میکدہ ہا بگشایند — گرہ از کار فرو بستہ ما بگشایند

گیسوی چنگ ببرید بمرگ مئی ناب — تا ہمہ مغبچہ ہا زلف دوتا بگشایند

نامہ تعزیت دختر رز بنویسید — تا حریفاں ہمہ خوں از مژہ ہا بگشایند

در میخانہ ببستند خدایا مپسند — کہ در خانہ تزویر و ریا بگشایند

اگر از بہر دل زاہد خودبیں بستند — دل قوی دار کہ از بہر خدا بگشایند

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع جسکا ذکر آگے آتا ہے اسنے بھی اس موقعہ پر ایک رباعی لکھی اور خوب لکھی۔

در مجلس دہر ساز مستی پست است — نہ چنگ بقانون و نہ دف بر دست است

رنداں ہمہ ترک مے پرستی کردند — جز محتسب شہر کہ بے مے مست است

امیر مبارز الدین کے بعد اس کا بیٹا شاہ شجاع فرمانروا ہوا وہ اس سلسلہ کا سرتاج اور علم و فن کا پشت و پناہ تہا، وہ علم و فن کی گود میں پلا تہا، سات برس کے سن میں تعلیم شروع کی نو برس میں قرآن مجید حفظ کیا، قاضی عضد سے شرح مفصل وغیرہ پڑہی، حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کے سننے میں عربی کے چھ سات شعر یاد ہو جاتے تھے، عربی اور فارسی میں اس کے مکاتبات اہل ادب میں مقبول عام ہیں علم و فضل کی قدردانی کی وجہ سے اس کا دربار علما و فضلا کا قبلہ حاجات تھا شعر بھی کہتا تھا تقی الدین حسینی نے اپنے تذکرہ میں بہت سے اشعار لکھے ہیں ایک رباعی یہ ہے۔

احوال بدم ز خلق پنہاں میکن — و احوال جہاں بر دلم آساں میکن

امروز خوشم بدار و فردا با من — آنچہ از کرم تو میسزد آں میکن

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع سے پہلے میخانوں کی جو روک ٹوک تھی شاہ شجاع

نے آزادی تجارت کے لحاظ سے اٹھا دی، خواجہ صاحب کے دیوان میں ایک غزل ہے وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

سحر ز ہاتف غیبم رسیدہ مژدہ بگوش | کہ دور شاہ شجاع است مے دلیر بنوش
شد آنکہ اہل نظر بر کنارہ می رفتند | ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش
بہ بانگ چنگ بگوئیم آن حکایتہا | کہ از نہفتن آن دیگ سینہ میزد جوش
رموز مملکت خویش خسروان دانند | گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کی آزادپسندی نے میخوارونکو بہت آزاد کر دیا تھا اس بنا پر خواجہ صاحب اسکے بہت ممنون ہیں۔ اور جو غزلیں شاہ شجاع کی مدح میں لکھی ہیں سب میں اس کا بڑے جوش سے تذکرہ کیا ہے

قسم بہ حشمت و جاہ و جلال شاہ شجاع | کہ نیست باکسم از بہر مال و جاہ نزاع
بہ بزم رقص کناں می رود بہ نالۂ چنگ | کسے کہ اذن نمی داد استماع سماع

ایک اور غزل میں کہتے ہیں

چنگ در غلغلہ آمد کہ کجا شد منکر | جام در قہقہہ آمد کہ کجا شد مناع
عمر و خسرو طلب ار نفع جہاں می طلبی | کہ وجودیست عطابخش و کریم نفاع
مظہر لطف ازل روشنی چشم امل | جامع علم و عمل جان جہاں شاہ شجاع

خواجہ صاحب نے اگرچہ جابجا اپنے اشعار میں شاہ شجاع کا نام مداحانہ انداز سے لیا ہے چنانچہ ایک غزل میں فرماتے ہیں

خیال آب خضر بست و جام کیخسرو | بجرعہ نوش سلطان ابوالفوارس شد

شاہ شجاع کی کیفیت

لیکن شاہ شجاع خواجہ صاحب سے صاف نہ تھا شجاع کے عہد میں خواجہ عماد فقیہ مشہور عالم تھے، شجاع ان کا نہایت معتقد تھا۔

خواجہ عماد کی ایک بلی تھی جسکو انہوں نے اس طرح تعلیم دی تھی کہ جب وہ نماز پڑھتے

تو بلی بھی نماز پڑھنے کے انداز سے جھکتی اور سر اٹھاتی، خواجہ حافظ نے اسی زمانہ میں ایک غزل لکھی۔

صوفی بہ جلوہ آمد و آغاز ناز کرد ۔ بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد

اس غزل میں ظرافت سے یا خواجہ عماد کو ریاکار سمجھکر خواجہ صاحب نے یہ شعر لکھا[1]

ای کبک خوش خرام کہ خوش می روی بناز ۔ غرہ مشو کہ گربہ عابد نماز کرد

غالباً شجاع کی ناراضی کی ابتدا اسی شعر سے ہوئی رفتہ رفتہ کشیدگی زیادہ بڑھتی گئی ایکدن شجاع نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آپ کی کوئی غزل یکساں اور ہموار نہیں ہوتی، ایک شعر میں تصوف، دوسرے میں مے پرستی، تیسرے میں شاہد بازی اسی طرح ہر شعر میں رنگ بدلتا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب نے کہا ہاں لیکن ان سب برائیوں کے ساتھ ہی میری غزلیں میری زبان سے نکلکر تمام دنیا میں پھیل جاتی ہیں بخلاف اوروں کے کہ ان کا قدم شہر کے دروازے سے بھی باہر نہیں نکلتا شجاع کو اس گستاخانہ اور آزادانہ جواب پر اور زیادہ ملال ہوا۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں خواجہ صاحب نے ایک اور غزل لکھی جس کا مقطع یہ تھا۔

گر مسلمانی ازین است کہ واعظ دارد ۔ وائی گر در پس امروز بود فردائے

شجاع نے یہ غزل سنی تو اس بہانہ سے کہ اس سے قیامت کا انکار یا کم از کم شبہ پایا جاتا ہے، خواجہ صاحب کو ستانا چاہا، خواجہ صاحب بہت پریشان ہوئے حسن اتفاق یہ کہ مولانا زین الدین تائبادی حج کو جاتے ہوئے شیراز سے گزرے خواجہ صاحب نے ان سے یہ ماجرا بیان کیا انہوں نے صلاح دی کہ مقطع کے اوپر ایک اور شعر لکھدو جس سے مقطع کا دوسرا مقولہ بن جائے خواجہ صاحب نے اسی وقت کہا۔[2]

این حدیثم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت ۔ بادف و بربط و نے، مغبچہ ترسائے

[1] حبیب السیر ۱۲۔ [2] حبیب السیر ۱۲۔

شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ میں انتقال کیا اسکے بعد شاہ منصور بن مظفر بادشاہ ہوا، وہ بھی بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تہا خواجہ صاحب نے اسکی مبارکبادی میں یہ غزل لکھی

بیا کہ رایت منصور بادشاہ رسید — نوید فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ رسید

منصور کے عین عروج اقبال کا زمانہ تہا کہ تیمور نے شیراز پر حملہ کیا۔

منصور اگرچہ نہایت دلیر اور صاحب عزم تھا لیکن تیمور کی سطوت و عظمت کا غلغلہ تمام عالم میں پڑ چکا تہا اسلئے چاہا کہ شیراز سے نکل جائے شہر پناہ کے دروازے پر پہونچا تو ایک بڑھیا نے کہا کہ ایک مدت تک بادشاہی کر کے رعایا کو مصیبت میں چھوڑ کر کہاں بھاگے جاتے ہو، منصور وہیں سے پلٹا اور صرف دو ہزار فوج سے تیمور پر حملہ آور ہوا اور پے در پے تیمور کی فوج کو شکست دیتا ہوا قلب فوج تک پہونچ گیا، تیمور پر تلوار کا وار کیا، قماری ایتاق نام ایک افسر نے بڑھ کر تلوار کو سپر پر روکا چار دفعہ پے در پے تلوار ماری لیکن ہر دفعہ قمار ایتاق سپر ہو جاتا تہا اور تیمور کو بچا لیتا تہا بالآخر فوجوں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے منصور کو قتل کر دیا، جس کا خود تیمور کو افسوس رہا، وہ کہا کرتا تہا کہ آجتک معرکوں میں کسی کو منصور کا ہمسر نہیں دیکھا۔

تیمور نے خواجہ حافظ کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے تمام عالم کو اس لئے ویران کیا کہ سمرقند اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کروں تم انکو ایک تل کی عوض میں دے ڈالتے ہو۔

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ صاحب نے کہا انہی فضول خرچیوں کی بدولت تو اس فقر فاقہ کی نوبت پہنچی ہے

خواجہ صاحب کی غزلیں اب چار دانگ عالم میں پھیل گئیں چنانچہ خود کہتے ہیں۔

بہ شعر حافظ شیراز میگویند و میرقصند — سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

اس زمانہ میں جس قدر سلاطین تھے سب آرزو رکہتے تہے کہ خواجہ صاحب کے کلام سے لطف اٹھائیں، چنانچہ عراق، عرب، ہندوستان، ہر جگہ سے شوقیہ خطوط آئے بغداد

کا فرمانروا سلطان احمد بن اویس تھا جو تمام کمالات کا مجموعہ تھا، مصوری، زرنگاری کمان سازی، خاتم بندی وغیرہ ان تمام فنون میں بڑے بڑے صناع اسکی شاگردی کا دم بھرتے تھے، موسیقی میں یہ کمال تھا کہ خواجہ عبدالقادر نے اسکی شاگردی اختیار کی اس فن میں اسکی متعدد تصنیفات ہیں جو مدت تک گویوں کا دستورالعمل رہیں ان باتوں کے ساتھ سخن سنج اور شاعر تھا[1] خواجہ صاحب کو اس نے بار بار بلایا، خواجہ صاحب بلکے چنانچہ بعض غزلوں میں اسکے اشارے بھی ہیں لیکن پھر بھی رکناباد کی خاک دامن نہیں چھوڑتی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں،

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر　　نسیم باد مصلّٰے و آب رکناباد

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر سلطان احمد کو بھیجی[2]

احمداللہ علی معدلۃ السلطان　　احمد شیخ اویس حسن ایلخانی

خان بن خان شہنشاہ شہنشاہ نژاد　　آں کہ مے زیبد اگر جان جہانش خوانی

ازگل فارسیم غنچہ عیشے نہ شگفت　　حبذا دجلہ بغداد و مے روحانی

برشکن کاکل ترکانہ کہ در طالع تست　　دولت خسروی و منصب چنگیزخانی

اگرچہ خواجہ صاحب بغداد نہ جا سکے لیکن شوق کا کانٹا ہمیشہ دل میں کھٹکتا رہا چنانچہ جابجا اسکے اشارے پائے جاتے ہیں۔

رہ نہ بردیم بہ مقصود خود اندر شیراز　　خرم آں روز کہ حافظ رہ بغداد کند

دکن میں سلاطین بہمنیہ کا دور تھا، اور سلطان شاہ محمود بہمنی مسند آرا تھا، وہ نہایت قابل اور صاحب کمال تھا عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں نہایت فصاحت اور روانی کے ساتھ شعر کہہ سکتا تھا، عام حکم تھا کہ عرب و عجم سے جو شاعر آئے اسکو پہلے قصیدہ پر ایک ہزار تنکہ جو ہزار تولہ سونے کے برابر ہوتے تھے، انعام میں دئے جائیں۔

---

[1] دولت شاہ، [2] دولت شاہ، ۱۲

انکی قدردانیوں کا تہرہ سنکر خواجہ صاحب کو دکن کے سفر کا خیال ہوا لیکن
خیال ہی خیال تھا، یہ خبر میر فضل اللہ کو پہونچی جو محمود کے دربار میں صدارت کے منصب
پر ممتاز تہا، اُنہوں نے زادراہ بہیجکر طلبی کا خط لکہا۔ خواجہ صاحب نے اس روپے میں سے
کچھ بہانجوں کی ضروریات میں صرف کئے، کچھہ لوائے قرض میں صرف ہوا جو باقی رہ گیا اس
سے زادراہ سفر کا سامان کرکے شیراز سے روانہ ہوئے مقام لاہور میں پہونچے تو وہاں
ایک دوست سے ملاقات ہوئی جن کا مال اور اسباب حال ہی میں لٹ گیا تھا۔ خواجہ
صاحب نے جو کچھہ پاس تہا انکے حوالہ کردیا اور آپ خالی ہاتہہ رہ گئے اتفاق یہ کہ خواجہ زین الدین
ہمدانی اور خواجہ محمد کازرونی جو مشہور تاجر تھے ہندوستان آرہے تھے انکو یہ حال معلوم
ہوا تو خواجہ صاحب کے مصارف کے کفیل ہوئے لیکن سوداگروں سے ایک نازک مزاج
شاعر کی نازبرداریاں کہاں انجام پاسکتی ہیں خواجہ صاحب کو رنج ہوا تاہم صبر کیا
اور محمود شاہی جہاز پر جو دکن سے ہرمز کے بندرگاہ میں آتا تھا اور ہندوستان کو
واپس جارہا تہا سوار ہوئے سو اتفاق یہ کہ جہاز نے لنگر بھی نہیں اٹہایا تھا کہ ہوا کا طوفان
اٹہا خواجہ صاحب فوراً جہاز سے اتر آئے اور یہ غزل لکھکر فضل اللہ کو بہیجی،

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد — بمی بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است — کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد
بکوئے میفروشانش بجامے در نمی گیرند — زہی سجادہ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
بس آسان می نمود اول غم دریا بہ بوئے در — غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

فضل اللہ نے غزل سلطان محمود بہمنی کی خدمت میں پیش کی اور تمام ماجرا بیان کیا،
سلطان نے ملا محمد قاسم مشہدی کو جو دربار کے فضلا میں سے تہے، ایک ہزار تنکہ طلا دیا
کہ ہندوستان کے عمدہ مصنوعات خرید کرکے لیجائیں اور خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کریں[1]

[1] یہ پورا قصہ تاریخ فرشتہ میں ہے۔

سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر فرمانروائے بنگالہ نے بھی جو ۷۶۸ھ میں
تخت نشین ہوا تھا خواجہ صاحب کے کلام سے مستفید ہونا چاہا۔ چنانچہ طرح کا یہ مصرع بھیجا۔

ع ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر بھیجی۔

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود ‏ ‏ ‏ دین بحث با ثلاثۂ غسالہ می رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند ‏ ‏ ‏ زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین ‏ ‏ ‏ غافل مشو کہ کار تو از نالہ می رود

خواجہ صاحب نے ۷۹۲ھ میں وفات پائی۔ خاک مصلےٰ تاریخ ہے جسمیں ایک عدد کی
کمی ہے مصلےٰ ان کا محبوب مقام تھا اسلئے دفن بھی یہیں ہوئے سلطان بابر بہادر کے زمانہ
میں محمد معمائی نے جو صدارت کی خدمت پر ممتاز تھا خواجہ صاحب کا مقبرہ بصرف کثیر تیار کرایا
جو ابتک قائم ہے انکے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہو گیا ہے۔ ہفتہ میں ایک خاص دن
مقرر ہے لوگ زیارت کو وہاں جاتے ہیں، وہیں دن بسر کرتے ہیں، کھاتے پکاتے ہیں چاء پیتے
ہیں کہیں کہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے کوئی رنگین مزاج خواجہ صاحب کے نام کا حصہ خاک پر گرا دیتا ہے
خواجہ صاحب نے پانچسو برس پہلے کہدیا تھا۔

بر سر تربت ما چوں گذری ہمت خواہ ‏ ‏ ‏ کہ زیارت گہ رندان جہاں خواہد بود

**آل و اولاد** خواجہ صاحب کی آزادہ مزاجی اور رندی سے قیاس ہوتا ہے کہ بیوی بچوں
کے کھبیڑوں سے آزاد ہوں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ شادی بھی کی تھی اور
اولاد بھی تھی صاحبزادہ کا نام شاہ نعمان تھا وہ ہندوستان میں آئے اور یہیں بمقام برہان
پور وفات کی ان کی قبر قلعہ اسیر کے متصل ہے[1]۔ دیوان میں ایک قطعہ ہے۔

صباح جمعہ بد و سادس ربیع اول ‏ ‏ ‏ کہ گشت فرقت آں مہ کشیتم حاصل

[1] خزانہ عامرہ بہ حوالہ مرآۃ الصفا۔

به سال هفتصد و نصت و چهار از هجرت — چو آب حل بشدم این دقیقه مشکل

غالباً یہ قطعہ بیوی کی وفات میں لکھا ہے، ایک اور قطعہ ہے۔

دلا دیدی که آں فرزانه فرزند — چه دید اندر خم این طاق رنگین

بجائے لوح سیمین در کنارش — فلک بر سر نہادہ لوح سنگین

اگرچہ ممکن ہے کہ یہ قطعہ کسی اور جوانمرگ کی شان میں ہو، لیکن زیادہ قیاس یہی ہے کہ خود انہی کا کوئی فرزند تھا جو آغاز عمر میں گزر گیا تھا۔

خواجہ صاحب کی تحصیل علم اور انکے مبلغ کا حال تذکرہ نویسوں نے مطلق نہیں لکھا چنانچہ جس کا حوالہ اُوپر گذر چکا ہے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ محلہ میں جو مکتب تھا اس میں تعلیم پائی تھی لیکن کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علوم درسیہ کی تحصیل مستعدانہ کی تھی، اکثر غزلوں میں عربی کے مصرعے جس برجستگی سے لاتے ہیں اس سے انکی عربیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بعض غزلوں میں متعدد شعر، خالص عربی میں ہیں اور سلاست و فصاحت میں جواب نہیں رکھتے

الا اے ساربان محمل دوست — الی رکبانکم طال اشتیاق

درونم خون شد از نادیدن یار — الا تعسا لایام الفراق

بیا ساقی بده رطل گرانم — سقاک الله من کاس دهاق

نهانی الشیب من وصل العذاری — سوی تقبیل خد و اعتناق

سلام الله من کر اللیالی — علی ملک المکارم و المعالی

فمجلک راحتی فی کل حین — و ذکرک مونسی فی کل حال

ست سلمی لبصدغیها فوادی — و روحی کل یوم لی تنادی

گر تیغ بارد در کوئے آں ماه — گردن نهادیم الحکم لله

الصبر مر و العمر فان — یا لیت شعری حتام القاه

جا بجا عربی کے جملے اس خوبصورتی سے پیوند کرتے ہیں کہ گویا انگوٹھی پر نگین جڑ دیا ہے

چو ہست آب حیات بدست تشنہ ممیر | فلا تمت و من الماء کل شیٔ حیّ
بخیل بوئے خدا نشنود، بیا حافظ | پیالہ گیر و کرم ورز و الضمان علی

قرآن مجید اور تفسیر کے ساتہہ انکو خاص لگاؤ تھا، دیوانکے دیباچہ میں لکہا ہی کہ تفسیر کشاف پر حاشیہ بھی لکھا ہے خود فرماتے ہیں۔

زحافظان جہاں کس چو بندہ جمع نکرد | لطائف حکما با کتاب قرآنی

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب قرآن مجید کی تفسیر میں معقول کو منقول سے تطبیق دیتے تھے فن قرارت میں کمال تھا اسکے ساتہہ خوش آواز تھے، معمول تھا کہ ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصورہ میں تمام رات خوش الحانی کے ساتہہ قرآن مجید پڑہتے تھے [۱]

قرآن مجید حفظ یاد تہا اور اس مناسبت سے حافظ تخلص رکھا تھا، قرآن دانی پر ان کو ناز تھا چنانچہ اشعار میں جا بجا اسکے اشارے پائے جاتے ہیں

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ | بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری
صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ | انچہ کردم ہمہ از دولت قرآں کردم

**تجرد اور آزادی** عام تذکروں کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب دنیاوی تعلقات سے آزاد تھے اور سلاطین و امراء سے بے نیاز رہتے تھے لیکن خود ان کے کلام سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی انکے زمانہ میں شیراز کے جو جو فرمانروا گزرے سب کی مدح میں انکے قصائد موجود ہیں اور اسی شان کے ہیں جو عام مدح گویوں کا انداز ہے شاہ شجاع کی مدح میں نونیہ قصیدہ ہے جس میں لکھتے ہیں

دارای دہر، شاہ شجاع آفتاب ملک | خاقان کامگار و شہنشاہِ نوجوان
حکمش رواں چو باد برا طراف بحر و بر | مہرش رواں چو روح در اعضائے انس و جان
بے طلعت تو جان نگراید بہ کالبد | بے نعمت تو مغز نہ بندد در استخوان

---

[۱] ہفت اقلیم امین رازی،

سلطان ابو اسحاق کی مدح میں بڑے زور کا قصیدہ لکھا ہی جس کا مطلع یہ ہے۔

سپیدہ دم کہ صبا بوی بوستان گیرد ‌‌ چمن ز لطف ہوا نکتہ بر جنان گیرد

مدح میں لکھتے ہیں

جمال چہرۂ اسلام شیخ ابو اسحاق ‌‌ کہ ملک در قدمش زیب بوستان گیرد

سلطان منصور کی مدح مثنوی میں لکھی ہے جس کا ذکر آگے آئیگا منصور کے وزرا میں سے ایک بدہمت نے رائے دی تھی کہ علما و فضلا کے وظیفے جنکی تعداد لو، تو ماں تھی بند کر دئے جائیں، منصور نے نہ مانا اسپر خواجہ صاحب نے قصیدہ لکھا[۱]

جو ز اسحر بنہاد حمایل برابرم ‌‌ یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم

منصور بن محمد غازی است حرز من ‌‌ وز این خجستہ نام بر اعدا مظفرم

ای شاہ شیر گیر چہ گردد، اگر شود ‌‌ در سایۂ تو ملک فراغت میسرم

جابجا خود انکے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ سلاطین اور امرا کے نام مدحیں لکھکر بھیجیں کہ صلہ ہاتھ آئے چنانچہ ایک قصیدے میں فرماتے ہیں

شاہ ہر در ہم نہ دید و بے سخن صد لطف کرد ‌‌ شاہ یزدم دید و مدحش گفتم و ہیچم نہ داد

کار شاہان این چنین باشد تو ای حافظ مرنج ‌‌ داور روزی رسان توفیق نصرت شاں دہاد

ایک اور قطعہ میں لکھتے ہیں

خسروا! دادگرا! شیر دلا! بحر کفا ‌‌ ای کمال تو بہ انواع ہنر ارزانی

در دو سال آنچہ بیند و ختم از شاہ و وزیر ‌‌ ہمہ بر بود بیکدم فلک چوگانی

غرض یہ بالکل غلط ہے کہ خواجہ صاحب ہاتھ پاؤں توڑکر بیٹھ گئے تھے، اور کسب معاش کی فکر نہ کرتے تھے البتہ فرق یہ ہے کہ انکے تمام معاصرین بلکہ پیشتر و نہایت ذلیل اور کمینہ طریقوں سے کام لیتے تھے، انوری، ظہیر فاریابی، سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے لیکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی مدح لکھی اور اسنے صلہ کم دیا یا دیر لگائی تو ہجو شروع کر دیتے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ جاتی تھی کہ تہذیب و شائستگی آنکھیں بند کر لیتی تھی ظہیر وغیرہ کے کلام میں سینکڑوں

[۱] حبیب السیر

قطعے اور قصائد ہیں جن میں اس درجہ کا گدایانہ ابرام ہے کہ ان کو دیکھکر شرم آتی ہے خواجہ صاحب اس سفلہ پن سے بری ہیں، وہ مدح نکھتے ہیں، صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہکر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر میں نہ تھا کبھی کبھی ہلکا سا تقاضہ بھی کرتے ہیں لیکن پیرایہ نہایت لطیف ہوتا ہے ایک قطعہ میں فرماتے ہیں۔

بہ سمع خواجہ رساں ای رفیق نعمت شناس — بہ خلوتے کہ دراں اجنبی صبا باشد
لطیفۂ بہ میاں آر وخوش بخندانش — بہ نکتہ کہ دلش را دراں رضا باشد
پس آنگہے ز کرم ایں قدر بپرس بہ لطف — کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روا باشد

ایک اور قطعہ میں کس لطف سے کنایہ کیا ہے

دوش در خواب چناں دید خیالم کہ سحر — گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی
بستہ بر آخور او استر من جو می خورد — تو برہ افشاند و مرا گفت مرا میدانی
ہیچ تعبیرش ندانستی بر گو چہ خواب چیست — تو بفرمائے کہ در فہم ندار ی ثانی

یعنی میں نے کل خواب دیکھا کہ میرا گذر شاہی اصطبل خانے کی طرف ہوا، وہاں میرا خچر جو کھارہا تھا مجکو دیکھکر اسنے توبڑہ کا رخ میری طرف کرکے جھاڑا اور کہا کیوں مجکو پہچانتے ہو اس خواب کی مجکو کچھ تعبیر نہیں معلوم ہوتی آپ بڑے نکتہ فہم ہیں آپ ہی بتائیں کہ اسکی تعبیر کیا ہے مطلب یہ کہ گھوڑے کے دانے چارے کا انتظام کر دیجئے۔

**معاشرت** انکے اشعار اور حسبتہ حسبتہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سادگی اور آزادی سے بسر کرتے تھے، حافظ قرآن تھے قرآن مجید کے نکات اور حقایق پر درس دیتے تھے لیکن بایں ہمہ اظہار تقدس سے نہایت نفرت رکھتے تھے صاف دل بے تکلف تھے، جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا، کوئی برائی کرتے تو ریاکاری کے پردے میں چھپایا نہ کرتے رکناباد ایک چشمہ ہے، شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے اب تو محض ذرا سی نہر رہ گئی ہے خواجہ صاحب کے زمانہ میں وسیع چشمہ ہوگا اس کے کنارے بیٹھکر

عالم آب کا لطف اٹہاتے تھے دوست احباب جمع ہوتے تھے، ہر قسم کی صحبتیں رہتیں، اکثر اشعار میں مزے لے لیکر اس کا ذکر کرتے ہیں۔

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب رکناباد و گلگشت مصلارا

رکناباد کے منبع کا نام اللہ اکبر ہے اس کا بھی ذکر جابجا کرتے ہیں

فرق ہست ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست — تا آب کہ منبعش اللہ اکبر است

جو ارباب کرم ان سے اچھا سلوک کرتے تھے، اکثر غزلوں میں ان کا ذکر احسانمندی کے ساتھہ کرتے ہیں یہ طریقہ ان کا خاص انداز ہے۔

بخواہ جام صبوحی بہ یاد آصف عہد — وزیر ملک سلیماں عماد بن محمود

ع چہ غم دارم چو در عالم قوام الدین حسن دارم،

دریای اخضر فلک و کشتی ھلال — ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

مطرب بہ پردہ سازی، شاید اگر بخواند — از طرز شعر حافظ در بزم شاہزادہ

تو بدین نازکی و سرکشی ای شمع چو گل — لائق بزمگہ خواجہ جلال الدینے

بااو گزین پس فلک خواری کند — بازگو در حضرت دارای ری

خسرو آفاق بخشش کز عطا — نامہ حاتم ز نامش گشت طی

از برائے عید دل در گردنم زنجیر زلف — چوں کمند خسرو مالک رقاب انداختی

نصرت الدین شاہ یحیی آنکہ تاج آفتاب — از سر تعظیم و قدرت در تراب انداختی

ای در رخ تو پیدا انوار پادشاہی — در فکرت تو پنہاں صد حکمت الہی

عمرے است بادشاہا کز می تہی است جامم — اینک ز بندہ دعوی، و محتسب گواہی

## انصاف پسندی

خواجہ صاحب اگرچہ اس رتبے کے شخص تھے کہ انکے تمام ہمعصر شعرا غزل گوئی میں ان کے سامنے ہیچ تھے، تاہم وہ سب کو نہایت ادب سے یاد کرتے ہیں بلکہ اپنے آپکو ان کا پیرو کہتے ہیں خواجہ جو کرمانی کی نسبت کہتے ہیں،

استاد غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما — دارد غزل حافظ طرز و روش خواجو

فخر کے جوش میں آکر کہتے ہیں

چہ جائے گفتہ خواجو و شعر سلمان است — کہ شعر حافظ شیراز بہ ز شعر ظہیر

لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ ان کے لئے ننگ ہے۔ ظہیر کو غزل میں ان سے کیا نسبت،

اس زمانہ میں کمال خجند مشہور شاعر اور صاحب کمال تھے خواجہ صاحب سے ان سے راہ و رسم تھی وہ خواجہ صاحب کی غزلیں منگوایا کرتے اور اپنا کلام ان کو بھیجتے، ایکدفعہ اپنی یہ غزل بھیجی

گفت یار از غیر ما پوشاں نظر گفتم بچشم — وانگہے وز دیدہ در ما می نگر گفتم بچشم

غزل میں یہ شعر بھی تھا۔

گفت اگر بر سر در بیابان غمم خواہی نہاد — تشنگان را مژدہ از ما بر گفتم بچشم

خواجہ صاحب اس شعر پر پہونچے تو ان پر حالت طاری ہوئی۔ افاقہ کے بعد کہا کہ واقعی اس شخص کا پایہ بہت بلند ہے[۱]

**کلام**

تذکرہ میخانہ میں لکھا ہے کہ خواجہ صاحب کا دیوان صرف دو برس میں تیار ہوا لیکن یہ قطعاً غلط ہے خلاف قیاس ہونیکے علاوہ غزلوں میں جابجا جن لوگوں کے نام آتے ہیں ان کے زمانوں میں برسوں کا آگا پیچھا ہے۔ خواجہ صاحب کی شہرت اگرچہ صرف غزل میں ہے لیکن انہوں نے قصائد اور مثنویاں بھی لکھی ہیں اور گو وہ تعداد میں کم ہیں لیکن ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاعری کے تمام اصناف پر ان کو قدرت حاصل تھی عام خیال ہے کہ جو لوگ غزل اچھی لکھتے ہیں، قصیدہ اور مثنوی اچھی نہیں لکھ سکتے لیکن خواجہ صاحب کے قصیدے بھی کچھ کم نہیں، اور مثنوی میں تو وہ صفائی لطافت اور زور ہے کہ نظامی اور سعدی کا دھوکہ ہوتا ہے

سر فتنہ دارد دگر روزگار — من و مستی و فتنہ چشم یار

فریب جہاں قصہ روشن است — بہ بیں تا چہ زاید شب آبستن است

ہماں مرحلہ است ایں بیابان دور — کہ گم شد درو لشکر سلم و تور

[۱] دولت شاہ تذکرہ کمال خجند

همان منزل است این جهان خراب — که دیدست ایوان افراسیاب

چه خوش گفت جمشید با تاج و گنج — که یک جو نیرزد سرائے سپنج

مغنی کجائی به گلبانگ رود — به یاد آور آن خسروانی سرود

مغنی بزن چنگ بر ارغنون — ببر از دلم فکر دنیائے دون

چنان برکش آهنگ این داوری — که ناهید چنگی برقص آورے

مغنی دف و چنگ را ساز ده — به یاران خوش نغمه آواز ده

مغنی کجائی نوائے بزن — به یکتائی او دوتائے بزن

بیا ساقی این نکته بشنو زنے — که یک جرعه مے به ز دیہیم کے

بیا ساقی آن آب اندیشه سوز — که گر شیر نوشد شود بیشه سوز

بیا ساقی آن آتش تابناک — که زردشت می جویدش زیر خاک

بده تا بگویم بآواز نے — که جمشید کے بود و کاؤس کے

---

مے ده که بدنام خواهم شدن — خراب مے و جام خواهم شدن

بیا ساقی مے که تا دم زنم — قلم بر سر هر دو عالم زنم

سبک باش در رطل گرانم بده — و گر فاش نتوان نهانم بده

که این چرخ و این انجم آبنوس — بسے یاد دارد ز بهرام و طوس

بده ساقی آن آب افسرده را — بیا زنده ساز این دل مرده را

که هر پاره خشتے که بر منظری است — سر کیقباد و اسکندری است

هر آن گل که در گلستانی بود — مه عارض دلستانی بود

هر آن شاخ سروے که در گلشنی است — قد دلبر و زلف سیمین تنے است

خواجہ صاحب اگرچہ قصیدہ اور مثنوی میں بھی اساتذہ سے پیچھے نہیں لیکن ان کا اصلی اعجاز غزل گوئی ہے، یہ عمومًا مسلم ہے کہ عالم وجود میں آجتک کوئی شخص غزل میں ان کا ہمسر نہ ہوسکا

متوسطین اور متاخرین غزل کے بزم آرا ہیں لیکن ان کو تسلیم ہے کہ خواجہ صاحب کا انداز کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

روشت صائب اگر نیست از رہ دعوی — تتبع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی است

صائب چہ تواں کرد بہ تکلیف عزیزاں — ورنہ طرف خواجہ شدن بے بصری بود — صائب

ع، چو شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد،

سلیم معتقد نظم خواجہ حافظ باش — کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی — سلیم

عرفی نے کبھی غزل میں کسی استاد کا نام نہیں لیا تاہم کہتا ہے۔

بر آں تتبع حافظ رواست چوں عرفی — کہ دل بکاود و در سخنوری داند — عرفی

## خواجہ صاحب کی غزل گوئی

غزل کی بنیاد سعدی نے ڈالی اور امیر خسرو اور حسن دہلوی نے اس کو ترقی دی ساتویں صدی کا چمن انہی بلبلوں کے زمزموں سے گونج رہا تھا کہ سلمان ساوجی اور خواجو کرمانی نے نغمہ سنجی شروع کی سعدی اور خسرو کے آگے اگرچہ ان کو فروغ نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہ دونوں اور اصناف سخن یعنی قصیدہ اور مثنوی میں اس قدر ممتاز اور نامآور تھے کہ اس اثر سے غزل میں بھی کام دیا ایکے ساتھ ان لوگوں نے غزل میں کچھ جدتیں بھی پیدا کیں جو زمانہ کے مذاق کے موافق تھیں اسلئے اور بھی مدد ملی اس سے بڑھکر یہ کہ سلطنت نے بھی ساتھ دیا، سلمان بغداد کے ملک الشعرا اور خواجو شاہ ابو اسحاق فرمانروائے شیراز کے دربار میں سب سے ممتاز تھے۔

اساتذہ کا تتب

غرض خواجہ حافظ نے آنکھیں کھولیں تو سلمان اور خواجو کا رنگ ملک پر چھایا ہوا تھا خواجہ صاحب نے دونوں کا زمانہ پایا ہوا تھا اور اتفاق یہ کہ خواجو نے جب سنہ ۷۵۳ھ میں شیراز میں وفات پائی تو دفن اسی مقام یعنی اللہ اکبر میں ہوئے، جو حافظ کی خاص سیرگاہ تھی؛ اور جسکی شان میں فرماتے ہیں۔

فرق است ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست — تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است

خواجہ صاحب نے غزلگوئی شروع کی تو خواجو کے کلام کو سامنے رکھکر کہنا شروع کیا چنانچہ خود فرماتے ہیں

ع ، دارد سخن حافظ ، طرز و روش خواجو ،

جو غزلیں ہم طرح ہیں ان میں جابجا مصرعے تک لڑ گئے ہیں اور مضامین اور ترکیبیں تو بکثرت سے متوارد ہیں سلمان کی غزلوں پر بھی اکثر غزلیں ہیں اور انمیں بھی اس قدر جابجا توارد ہے کہ لوگوں کو دونوں کے کلام میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض بعض غزلیں دونوں کے دیوان میں موجود ہیں ، ایک نقطہ کا فرق نہیں ، اسی بنا پر بعض تذکروں میں لکہا ہے کہ کاتبوں نے حافظ خواجو اور سلمان کے دیوان میں نہایت خلط ملط کر دیا ہے ۔

خواجہ صاحب کے کلام کا خواجو وغیرہ سے موازنہ کرنا اگرچہ اس لحاظ سے غیر ضروری ہے کہ آج کسی کو حافظ کی ترجیح میں کلام نہیں بلکہ خواجہ صاحب کی غزلوں کے مقابلہ میں خواجو اور سلمان کی غزلوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا لیکن شاعری کی تاریخ کا یہ ایک ضروری باب ہے کہ شاعری کی ترقی کے تدریجی مدارج دکہلائے جائیں یہ ایک واقعہ ہے کہ سعدی ، خواجو اور سلمان ہی کے خاکے ہیں جن پر حافظ نے نقش آرائیاں کی ہیں ، اسلئے ان کے باہمی امتیاز اور تدریجی ترقی کا دکہانا مصنف کا ضروری فرض ہے ، سعدی اور خسرو اور حسن تک غزل میں زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات اور معاملات بیان کرتے تھے خواجو نے دنیا کی بے ثباتی ، وسعت مشرب ، اور رندی و مستی پر زیادہ زور دیا ، اکثر غزلیں پوری کی پوری صرف دنیا کی بے ثباتی پر ہیں مثلاً یہ غزل ،

| | |
|---|---|
| بپیش صاحب نظر آں ملک سلیماں باد است | بلکہ آں است سلیماں کہ ز ملک آزاد است |
| ایں کہ گویند کہ بر آب نہادہ ست جہاں | مشنو ای خواجہ ! کہ چوں درنگری بر باد است |

یا مثلاً یہ غزل

| | |
|---|---|
| مشو بہ ملک سلیمان و مال قارون شاد | کہ مال و ملک بود در رہ حقیقت باد |

خواجہ صاحب نے بھی انہی مضامین پر شاعری کی بنیاد رکہی ہے ۔

سلمان کا خاص مذاق ، مضمون آفرینی ، جدت تشبیہ ، اور صنائع لفظی ہے ، خواجہ حافظ

بھی ان چیزوں کو لیتے ہیں لیکن یہ ان کا خاص انداز نہیں سعدی خسرو اور حسن کا کلام ہمہ تن عشق سوز و گداز بیان شوق ناامیدی اور حسرت ہے خواجہ صاحب سعدی کی بھی تقلید کرتے ہیں چنانچہ اکثر غزلیں ان کی غزلوں پر لکھی ہیں لیکن وہ فطرتاً شگفتہ مزاج اور ولولہ خیز طبیعت رکھتے تھے اسلئے درد و غم کے نوحے ان سے اچھی طرح ادا نہیں ہوتے ۔ خواجہ صاحب نے سعدی، خواجو سلمان کے جواب میں جو غزلیں لکھی ہیں ان میں سے بعض ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ استاد اور شاگرد کے فرق مراتب کا اندازہ ہوسکے۔

خواجو — خرقہ رہن خانہ خمار دارد پیر ما     دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما

ای ہمہ رندان مرید پیر ساغر گیر ما     چیست یاراں طریقت بعد ازیں تدبیر ما — حافظ

خواجہ صاحب کا مطلع ہر پہلو سے خواجو کے مطلع سے بڑھا ہوا ہے، اور یہ محتاج اظہار نہیں

خواجو
گر شدیم از بادہ، بدنام جہاں تدبیر چیست
ہمچنیں رفتست از روز ازل تقدیر ما

حافظ
در خرابات مغاں ما نیز ہمدستاں شدیم
کایں چنیں رفتست از روز ازل تقدیر ما

خواجہ صاحب نے خواجو ہی کے مضمون اور الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہے، اور افسوس ہے کہ کچھ بھی ترقی نہیں کی، دوسرا مصرع تو حرف حرف خواجو ہی کا مصرع ہے، پہلا مصرع خواجو کا زیادہ برجستہ ہے اور صاف اسکے ساتھ تدبیر اور تقدیر کا مقابلہ نہایت بے تکلفی سے آیا ہے خواجہ صاحب نے یہ حسن بھی کھو دیا، خواجو کے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ شراب نے اگر ہمکو رسوا کر دیا تو علاج کیا تقدیر یونہی تھی، خواجہ صاحب کہتے ہیں ہمکو بھی مغوں کا ساتھ دینا پڑا ۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا خواجہ صاحب کو مضمون کے لحاظ سے بھی ترجیح نہیں۔

خواجو — تا دل دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم     عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چون خوش است — حافظ

ای بسا عاقل کہ شد دیوانہ زنجیر ما     عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے یہ بات اضافہ کی کہ عاقلوں کے دیوانہ زنجیر ہونے کی وجہ ظاہر کر دی یعنی یہ کہ زلف کی قید کس قدر پر لطف ہے اسکے علاوہ خواجہ صاحب کا پہلا مصرع

زیادہ صاف اور ڈھلا ہوا ہے لیکن خواجو کے مصرع میں ایک خاص نکتہ ہے جو خواجہ صاحب کے یہاں نہیں، خواجو کہتا ہے کہ میرا دیوانہ دل زنجیر زلف میں پھنس گیا یہ وہ زنجیر ہے کہ عاقل بھی اسکے دیوانے بن گئے جس سے اسبات کی معذرت نکلتی ہے کہ جب عقلا اس زنجیر میں پھنستے ہیں تو دیوانہ کا پھنسنا کیا تعجب ہے۔ اسکے علاوہ دیوانوں کو عموماً زنجیر میں باندہتے ہیں اس لئے دل کا زلف میں گرفتار ہونا قدرتی بات تھی، خواجہ صاحب نے دلکی دیوانگی کا کچھہ ذکر نہیں کیا اسلئے گرفتاری کی کوئی معقول وجہ نہیں، خواجہ کے ہاں عاقل و دیوانہ کے لفظی تقابل سے جو لطف پیدا کیا ہے خواجہ صاحب کے یہاں وہ بھی نہیں۔

| حافظ | | خواجو |
|---|---|---|
| تیر آہ ما زگردوں بگذرد جاناں خموش | | از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو |
| رحم کن بر جان خود، پرہیز کن از تیر ما | | کز کماں نرم زخمش سخت باشد تیر ما |

مضمون وہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے کوئی ترقی نہیں دی، بلکہ اسکے لطف کو کم کر دیا، خواجو نے معشوق سے صرف اس قدر کہا تھا کہ "غافل مشو"، خواجہ صاحب - خاموش اور رحم کن بر جان خود سے معشوق کو خطاب کرتے ہیں جو آداب عشق کے بالکل خلاف ہے

| حافظ | خواجو |
|---|---|
| نسیم صبح سعادت بر آں نشاں کہ تو دانی | ایا صبا خبرے کن مرا ازاں کہ تو دانی |
| گذر بکوے فلان کن دراں زماں کہ تو دانی | بداں زمین گذرے کن بداں زماں کہ تو دانی |
| تو پیک حضرت شاہی مراد و دیدہ براہ ست | چو مرغ در طیراں آئی و چوں باوج رسی |
| بہ مردمی نہ بفرماں ببر بر آں کہ تو دانی | نزول سازد راں آشیاں کہ تو دانی |
| بگو کہ جان ضعیفم ز دست رفت خدارا | چناں مرو کہ غبارے بدو رسد گذرت |
| ز لعل روح فزایت بہ بخش زاں کہ تو دانی | بداں طرف چو رسیدی چناں بداں کہ تو دانی |
| من ایں دو حرف نوشتم چناں کہ غیر نہ دانست | |
| تو ہم ز روی کرامت بخواں چناں کہ تو دانی | |

دونوں نے صبا کو قاصد بنایا ہے اور اسکو ہدایتیں کی ہیں، خواجو نے صبا کو مرغ سے

اور معشوق کے گھر کو آشیانہ سے تشبیہ دیکر بد مزگی پیدا کر دی لیکن آخر کا شعر نہایت لطیف ہے یعنی اے صبا اس طرح آہستہ اور مودب جانا کہ گرد تک نہ اُٹھنے پائے، اور بتانے کی کیا حاجت ہے؟ تو تو خود آداب دان ہے جیسا مناسب سمجھنا کرنا۔

خواجہ صاحب کا مطلع نہایت برجستہ ہی، صبا کے بجائے نسیم اور اسپر صبح سعادت کی قید نے لطف پیدا کر دیا ہے۔ خواجو کے مصرع میں جو زمین زماں کا لفظی تناسب تھا تکلف سے خالی نہ تھا اسلئے خواجہ صاحب نے اس کو اڑا دیا ہداں زمین "کی بجائے بہ کوئے فلاں" کا کنایہ زیادہ لطیف ہے، کہتے ہیں کہ تو شاہی قاصد ہے، میں تجکو حکم نہیں دے سکتا البتہ مروت اور انسانیت کے اقتضاء سے توقع رکھتا ہوں، آخیر شعر اور زیادہ پر مزہ ہے معشوق سے کہتے ہیں کہ میں نے یہ دو سطریں اس طرح چھپا کر لکھی ہیں، کہ غیروں کو خبر نہیں ہونے پائی، تم بھی اسی طرح پڑھنا جیسا مناسب ہو، یعنی کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

خواجو — دل دریں پیرزن عشوہ گر دہر مبند ۔۔۔ کیں عروسیست کہ در عہد بسی داماد است

حافظ — مجو درستی عہد از جہان بے بنیاد ۔۔۔ کہ این عجوزہ، عروس ہزار داماد است

مضمون وہی ہے لیکن خواجہ صاحب کی بندش میں ذرا حسن ہی، پہلے مصرع میں صرف استقدر کہنا چاہیئے کہ دنیا میں دل نہ لگاؤ پھر اسکی وجہ بتانی چاہیئے کہ یہ ایک ایسی عجوزہ ہے جو ہزاروں کے نکاح میں ہے خواجو نے پہلے ہی کہہ دیا کہ عجوزہ دہر سے دل نہ لگاؤ حالانکہ جب پہلے ہی عجوزہ کہدیا تو اس دلیل کی ضرورت نہیں رہی کہ وہ کثیر الازدواج ہے کیونکہ بڑھیا سے یوں ہی انسان کو محبت نہیں ہوتی، خواجہ صاحب نے پہلے دنیا کی برائی کو مطلق حیثیت سے بیان کیا پھر ایک ساتھ نفرت کی دو وجہیں بتائیں یعنی یہ بڑھی ہے، اور کثیر الازدواج بھی ہے

خواجو — منزل از یار قریب است چہ دوزخ چہ بہشت ۔۔۔ سجدہ گر نیاز است چہ مسجد چہ کنشت

حافظ — ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار چہ مست ۔۔۔ ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

خواجو کے شعر کو خواجہ صاحب کے شعر پر ترجیح ہی، اول تو خواجو نے مطلع میں جس میں قافیہ کی

پابندی ہوجاتی ہی ایسے وسیع مضمون کو ادا کیا ہی، اسکے ساتھہ دونوں عالم کی دونوں چیزیں لیں یعنی دوزخ اور بہشت، مسجد اور کنشت ان سب کے علاوہ مسجد کی تنکیر اور تعمیم اور نیاز کی قید نے جو لطف پیدا کیا ہے، خواجہ صاحب کے ہاں مطلق نہیں، خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ مسجد اور گرجا دونوں عشق کے گھر ہیں اور ایک ہی چیز ہیں خواجو دونوں کو مخالف کرکے کہتا ہے کہ سجدۂ نیاز وہ چیز ہے کہ مخالف اور موافق ہر جگہ ادا کیا جا سکتا ہے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سجدۂ نیاز گرجا میں بھی ادا کیا جائے تو مسجد بن جائے۔

خواجو — کے برکنم دل از رخ جاناں کہ مہر او ۔۔۔ باشیر در دل آمد و با جان بدر شود

حافظ — عشق تو در وجودم و مہر تو در دلم ۔۔۔ با شیر در بدن شد و با جان بدر شود

خواجہ صاحب نے جس طرح اس مضمون کو ترقی دی ہے محتاج اظہار نہیں۔

خواجو اور خواجہ صاحب کی غزلیں اکثر ہم طرح ہیں اختصار کے لحاظ سے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں خواجہ صاحب نے سلمان کی اکثر غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں جن میں کہیں سلمان کی تقلید کی ہے کہیں سلمان کے مضمون کو لیکر زیادہ دلکش پیرایہ میں ادا کیا ہے کہیں سلمان کے آئینہ کو زیادہ جلا دیدی ہی

سلمان — آوازۂ جمالت تا در جہاں فتادہ ۔۔۔ خلقے بہ جستجویت سر در جہاں نہادہ

حافظ — عید است و موسم گل ساقی بیار بادہ ۔۔۔ ہنگام گل کہ دیدہ است بے می قدح نہادہ

دونوں مطلع بالکل الگ الگ ہیں ان میں کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا۔

سودای زہد خشکم بر باد دادہ حاصل ۔۔۔ مطرب بزن ترانہ، ساقی بیار بادہ

گل رفت اے حریفاں غافل چرا نشینید ۔۔۔ بے بانگ رود و چنگے بے یار و جام بادہ

سلمان کا دوسرا مصرع نہایت برجستہ اور مستانہ ہے

ماییم بستہ دل را در لعل دلکشایت ۔۔۔ آن لب بہ خندہ بکشا تا دل شود کشادہ

زیں زہد و پارسائی بگرفت خاطر من ۔۔۔ ساقی پیالہ دہ تا دل شود کشادہ

صنعت اضداد کا دونوں نے لحاظ رکھا ہے لیکن سلمان کے الفاظ زیادہ صاف ہیں یعنی بستن و کشادن گرفتن اور کشادن میں بھی گو یہی صنعت ہے لیکن گرفتن کے یہ اصلی معنی نہیں ہیں بلکہ محاورہ نے یہ معنی پیدا کئے ہیں اسکے علاوہ دل کے کہلنے کی توجیہ سلمان نے بہ لفظ اور معنیٰ دونوں لحاظ سے زیادہ روشن ہے یعنی تو لب کہولے تو ہمارا دل بھی کہلے کیونکہ ہمارا دل تیرے لبوں میں بندہا ہوا ہے، پیالہ سے دل کہلنے میں یہ بات نہیں۔

| | |
|---|---|
| سودائیان زلفت گرد تو حلقہ بستہ | در مجلس صبوحی، دانی چہ خوش نماید |
| سلمان شوریدگان مویت در یکدگر فتادہ | عکس عذار ساقی بر جام مے فتادہ حافظ |

مضمون کے لحاظ سے دونوں شعر الگ الگ ہیں، البتہ قافیہ مشترک ہے اور سلمان کے ہاں اچھا بندہا ہوا ہے، یوں بھی سلمان کا شعر اچھا ہے۔

شیخ سعدی کے جواب میں بھی گو اکثر غزلیں ہیں لیکن درحقیقت دونوں کے راستے الگ الگ ہیں اسلئے ان میں موازنہ نہیں ہو سکتا تاہم متعدد مضامین خواجہ صاحب نے شیخ سعدی سے لئے ہیں لیکن انکے اسلوب کو اس طرح بدل دیا ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ موتی انہی قطروں سے بنے ہیں، مثالیں جدت اسلوب کے عنوان میں آئیں گی،

## خواجہ صاحب کی خصوصیات

تم نے دیکھا خواجہ صاحب اپنے اساتذہ یا حریفوں سے طرحی غزلوں میں چنداں بلند رتبہ نہیں ہیں، انکی شاعری کے مہمات مضامین بھی ان کا ذاتی سرمایہ نہیں، بلکہ خیام کے ابر قلم کے رشحات ہیں، بایں ہمہ انکی غزلوں نے دنیا میں غلغلہ برپا کر دیا، اُنکے آگے سعدی خسرو خواجو سلمان کی آوازیں بالکل پست ہو گئیں اس کا کچھ سبب ہو گا، اور وہی خواجہ صاحب کی خصوصیات شاعری ہیں یہ خصوصیات اگرچہ درحقیقت ذوقی اور وجدانی ہیں جو صرف مذاق سلیم سے تعلق رکھتے ہیں تاہم جس قدر ضبط تحریر میں آسکتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی شاعری میں، متعدد ایسی باتیں جمع ہو گئی ہیں جنکا

مجموعہ اعجاز بن گیا ہے، ممکن ہے کہ ان میں سے ایک ایک چیز کو الگ الگ لیں تو اوروں کے ہاں نکل آئے لیکن خواجہ صاحب کا کلام ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"کا مصداق ہے، انمیں بعض اوصاف ایسے بھی ہیں جو اوروں کے کلام میں اس درجہ تک نہیں پائے جاتے مثلاً روانی، برجستگی اور صفائی، یہ وصف سعدی اور خسرو کا بھی مابہ الامتیاز ہے لیکن یہ ایسی چیز ہے جسکے مدارج کی حد نہیں، ممکن ہے کہ ایک شعر خود نہایت رواں اور صاف اور شستہ ہو لیکن ایک اور شعر اس سے بھی بڑھکر ہو، اور اس سے بھی بڑھکر کوئی اور شعر ہو جس طرح نغمہ اور حسن کہ انکے مدارج ترقی کی کوئی حد نہیں، ایک اور چیز جو خواجہ صاحب کی شاعری کا نہایت نمایاں وصف ہے، جوش بیان ہے، اسی طرح تنوع مضامین بھی ان سے پہلے اس قدر نہ تھا چنانچہ ہم انکے کلام کے تمام اوصاف کو الگ الگ عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

## جوشِ بیان

فارسی شاعری باوجود ہزاروں گوناگوں اوصاف اور خیالات کے جوش بیان سے خالی ہے فردوسی اور نظامی کے ہاں خاص خاص موقعوں پر جوش بیان کا پورا زور ہے لیکن وہ اوروں کے خیالات اور واردات ہیں، خود شاعر کے حالات اور جذبات نہیں، بخلاف اسکے خواجہ حافظ کے کلام میں جو جذبات ہیں وہ خود انکے واردات اور حالات ہیں اسلئے ان کو وہ اس جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ ایک عالم چھا جاتا ہے جوش بیان کے لئے کسی مضمون یا کسی خیال کی خصوصیت نہیں، ہر مضمون اور ہر خیال جوش کے ساتھ ظاہر کیا جا سکتا ہے البتہ اختلاف نوعیت کی وجہ سے صورتیں بدل جاتی ہیں مثلاً شاعر جوش مسرت کا بیان کرتا ہے تو اس انداز سے کرتا ہے کہ گویا آپے سے باہر ہوا جاتا ہے قہر اور غضب کا بیان ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا مرقع الٹ دیگا، دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم ہیچ ہے، غصہ و غضب کا مضمون ہے تو نظر آتا ہے کہ منہ سے انگارے برس رہے ہیں،

خواجہ صاحب نے سینکڑوں گوناگوں خیالات ادا کئے ہیں اور جس خیال کو ادا کیا ہے اس

جوش کیسا کیا ہی کہ سننے والے پر وہی اثر طاری ہو جاتا ہے جو خود خواجہ صاحب کے دل میں ہوتا ہے۔

زمانہ کی بے اعتباری

اعتمادے نیست بر دور جہاں ‖ بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

سر مو مجلس جمشید گفتہ اند این بود ‖ کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

استقلال و ثابت قدمی

حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است ‖ ما ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود

وجد ذوق

در نمازم خم ابروے تو ام یاد آمد ‖ حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد

افسانۂ عشق کی دلاویزی

از صدیث سخن عشق ندیدم خوشتر ‖ یادگاری کہ دریں گنبد دوار بماند

واعظوں کی وانظ اور پند کی تحقیر

بادہ خور غم مخور و پند مقلد مشنو ‖ اعتبار سخن عام چہ خواہد بودن

می ترسم از خرابی ایمان کہ مے برد ‖ محراب ابروے تو حضور نماز من

زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب ‖ مارا بہ جام بادہ گلگوں خراب کن

مستی کی تمنا

کمال کسی پر محدود نہیں

فیض روح القدس از باز مدد فرماید ‖ دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

ہمہ تن وفا، محبت ہونا

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ‖ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

اعلان راز

داستاں در پردہ مے گویم دلے ‖ گفتہ خواہد شد بہ داستان نیز ہم

محتسب داند کہ حافظ مے خورد ‖ آصف ملک سلیماں نیز ہم

ظاہر و باطن یکساں ہونا

رنگ و تزویر پیش ما نبود ‖ شیر سرخیم و افعی سیہیم

اترائی معشوق کی روح جو وہ زندگی کی تعبیہ غریبوں کے ستانے انجام

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر ‖ تا سحر گہ ز کنار تو جواں بر خیزم

سوز دل کا اثر

ای نور چشم من سخنے ہست گوش کن ‖ تا ساغرت پرست بنوشان و نوش کن

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ‖ با درد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

سوز آہ سینہ سوزاں بین ‖ سوخت ایں افسردگان خام را

جوش بیان کا اصلی موقع وہاں آتا ہے جہاں کسی خاص جذبہ کا اظہار کرنا ہو مثلاً رنج و غم فخر و ناز غیظ و غضب عشق و محبت،

خواجہ صاحب پر رندی اور مستی کا جذبہ غالب تھا ان کے تمام کلام میں یہ جذبہ

اس جوش اور زور کیساتھہ پایا جاتا ہی کہ فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی اسکے
اندازہ کرنے کیلئے پہلے ایک رند سرمست کی حالت کا تصور باندہو کہ جب وہ مستی کے جوش وخروش میں ہوتا ہے
تو اسکے دلمیں کیا کیا خیالات آتے ہیں وہ فرط سے میں آکر کہتا ہی کہ مجھکو نام و ننگ کی کچھہ پرواہ نہیں ساقی
پیالے پر پیالہ دئے جا اور کسی سے نہ ڈر زاہد کیا جانتا ہی کہ جام میں کیا کیا گوناگوں عالم نظر آتے ہیں مطرب سے کہتا ہے
یہ ترانہ گائے کہ تمام دنیا پر میری حکومت ہے کل خاک میں جانا ہی آج کیوں نہ عالم میں غلغلہ ڈالوں تم مجھے حقیر
سمجھتے ہوں شرابخانہ میں آؤ تو تم کو نظر آئے کہ میری کیا شان ہی؟ میرے ہاتھہ میں جو پیالہ ہی وہ جمشید کو
بھی نصیب نہوا ہوگا میں شراب آج سے نہیں پیتا مدت سے آسمان اس غلغلہ سے گونج رہا ہی صوفی اور واعظ
راز دانی کی شیخیاں بگہارتے ہیں، حالانکہ جو کہتے ہیں مجھی سے سن لیا تھا یہ عالم لطف اٹھانیکے لئے کافی نہیں
آؤ آسمان کی چہت توڑکر ایک نیا عالم بنائیں خواجہ صاحب ان خیالات کو اسی جوش کے ساتھہ ادا کرتے ہیں جس
طرح ایک سرمست کے دلمیں آتے ہیں۔ ابہی یہ بحث چہوڑ دو کہ خواجہ صاحب کی شراب معرفت کی شراب ہے یا انگور کی
مستی دونوں میں ہی اور یہاں صرف مستی سے غرض ہی۔

بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم ؛ فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم ؛ آؤ پھول برسائیں شراب پیالہ میں ڈالیں آسمان کی چہت توڑ ڈالیں اور نئی بنیاد ڈالیں
اگر غم لشکر انگیزد که خون عاشقان ریزد ؛ من و ساقی بهم سازیم و بنیادش براندازیم ؛ اگر غم عاشقوں کے مقابلہ کیلئے فوج تیار کرے تو ہم اور ساقی
دونوں ایکا کرکے اسکی جڑ اکھاڑ کر پہینکدیں ؛ چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودی خوش ؛ که دست افشان غزل
خوانیم و پاکوبان سر اندازیم ؛ رند مزے میں آکر جب گاتا ہی تو دونوں طرف ہاتھہ جھٹکتا ہی پاؤں زمین پر دے دے مارتا ہے
سر کو دائیں بائیں جھٹکے دیتا ہی یہ شعر بعینہ اس حالت کی تصویر ہے

ساقی به نور باده برافروز جام ما ؛ مطرب بگو که کار جهان شد بکام ما ؛ ما در پیاله عکس رخ یار دیده ایم ؛ ای بیخبر ز لذت شرب مدام ما
ساقیا برخیز و درده جام را ؛ خاک بر سر کن غم ایام را ؛ گرچه بدنامی است نزد عاقلان ؛ ما نمی خواهیم ننگ و نام را ؛
تا ز می خانه و می نام و نشان خواهد بود ؛ سر ما خاک ره پیر مغان خواهد بود ؛ حلقه پیر مغانم ز ازل در گوش است ؛ ما همانیم که بودیم و همان خواهد بود
بر سر تربت ما چو گذری همت خواه ؛ که زیارتگه رندان جهان خواهد بود ؛ عاقبت منزل ما وادی خاموشان است ؛ حالیا غلغله در گنبد افلاک انداز
حاصل کارگه کون و مکان اینهمه نیست[1] ؛ باده پیش آر که اسباب جهان اینهمه نیست ؛ ساقی بیار باده و با مدعی بگو ؛ انکار ما مکن که چنین جام جم نداشت
خوش وقت رند مست که دنیا و آخرت ؛ از دست داد و هیچ غم بیش و کم نداشت ؛ ما می به بانگ چنگ نه امروز می خوریم ؛ بس دیر شد که گنبد [illegible] این صدا شنید

[1] یعنی کچھہ ایسی کائنات نہیں ۱۲

سر خدا که عارف و سالک به کس نگفت — در حیرتم که باده فروش از کجا شنید

ساقی بیا که عشق ندا می کند بلند — کان کس که گفت قصه ما هم ز ما شنید

من ترک عشق بازی و ساغر نمی کنم — صد بار توبه کردم و دیگر نمی کنم

من رند و عاشق و آنگاه توبه — استغفر الله استغفر الله

ما زهد و تقوی کمتر شناسیم — یا جام باده یا قصه کوتاه

شراب و عیش نهان چیست کار بی بنیاد — زدیم بر صف رندان و هر چه بادا باد

سخن درست بگویم نمی توانم دید — که می خورند حریفان و من نظاره کنم

گدائی میکده ام لیک وقت مستی بین — که ناز بر فلک و حکم بر ستاره کنم

نه واعظم نه مدرس نه مفتیم نه فقیه — مرا چکار که منع شراب خواره کنم

با من خاک نشین خیز و سوی میکده آی — تا ببینی که در آن حلقه چه صاحب جاهم

ای خوشا حالت آن مست که در پای حریف — سر و دستار نداند که کدام اندازد

خوشتر از فکر می و جام چه خواهد بودن — چون خبر نیست که انجام چه خواهد بودن

پیر میخانه چه خوش گفت معمای دوش — از خط جام که فرجام چه خواهد بودن

باده خور غم مخور و پند مقلد منیوش — اعتبار سخن عام چه خواهد بودن

غم دنیای دنی چند خوری باده بخور — حیف باشد دل دانا که مشوش باشد

ساقی بیا که شد قدح لاله پر ز می — طامات تا به چند و خرافات تا به کی

شیخم به طنز گفت حرام است می مخور — گفتم به روی گوش به هر خر نمی کنم

که برد به نزد شاهان ز من گدا پیامی — که به کوی می فروشان دو هزار جم به جامی

صبح است ژاله می چکد از ابر بهمنی — برگ صبوح ساز و بزن جام یک منی

ساقی به هوش باش که غم در کمین ماست — مطرب نگاه دار همین ره که میزنی

بیا که رونق این کارخانه کم نشود — ز زهد همچو توئی یا ز رندی چو منی

ما مرد زہد و توبہ و طامات نیستم — با ما بہ جام بادہ صافی خطاب کن

زاں پیشتر کہ عالم فانی شود خراب — ما را بہ جام بادہ گلگوں خراب کن

یہ مضامین کہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے اسکے لئے جھگڑوں میں پڑنے سے کیا حاصل کھاؤ پیو لطف اٹھاؤ اور دنیا سے گذر جاؤ، سو سو طرح بندھ چکے ہیں، اور خیام کی تمام شاعری کی کائنات یہی ہے لیکن خواجہ صاحب کے یہاں جو جدت بیان پایا جاتا ہے، فارسی شاعری اس سے خالی ہے۔

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش — کہ تا لختے بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

کمند صید بہرامی بیفگن جام مے بردار — کہ من پیمودم ایں صحرا نہ بہرام ست نے گورش

مَی دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ — ہمیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

دو یار زیرک و از بادہ کہن دو منے — فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے

من ایں مقام بہ دنیا و آخرت ندہم — اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے

دنیا کی شان و شوکت جاہ و جلال دھوم دھام ان کو لبھانا چاہتے ہیں لیکن انکے دل سے یہ صدا آتی ہے کہ تا کے؟ یہ نیرنگیاں کب تک؟ اس جھوٹے طلسم کیلئے زندگی کو کیوں آلودہ کیا۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار — چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

حاصل کارگہ کون و مکاں اینہمہ نیست — بادہ پیش آر کہ اسباب جہاں اینہمہ نیست

بیفشاں جرعہ بر خاک و حال اہل شوکت بیں — کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستاں دارد

گرہ بہ باد مزن گرچہ بر مراد وزد — کہ ایں سخن بہ مثل باد با سلیماں گفت

یہ فلسفہ خواجہ صاحب پر اس قدر چھا گیا تھا کہ بوریائے فقر انکو مسند جمشید نظر آتا تھا، وہ خود اس خیال میں مست تھے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی اس عالم کا لطف اٹھائیں وہ مناظر قدرت سے بہار سے آب رواں سے سبزہ و مرغزار سے لطف اٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ . . . خوش عیشی کا یہ عالم ہر شخص کو نصیب ہو سکتا ہے اس بنا پر وہ تمام دنیا کو خوش عیشی کی تعلیم دیتے تھے، یونان میں اپیکیورس کی بھی یہی تعلیم تھی لیکن وہ فلسفی تھا اسلئے جو کچھ کہتا تھا فلسفہ

کے انداز میں کہتا تھا خواجہ صاحب شاعر تھے اور فطری شاعر تھے اسلئے انہوں سے خوش عیشی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ زمین سے آسمان تک جوش مسرت سے لبریز نظر آتا ہے اور یہی شاعری کا اصلی کمال ہے

عید است ساقیا قدحی پر شراب کن — دور فلک درنگ ندارد شتاب کن

بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند — چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد — بہ می بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است — کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد

غم دنیائے دنی چند خوری بادہ بخور — حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد

خوشتر از فکر می و جام چہ خواہد بودن — چوں خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن

بہار سے لطف اٹھاتے ہیں

نفس باد صبا مشک فشاں خواہد شد — عالم پیر دگر بارہ جوان خواہد شد

ارغوان جام عقیقی بہ سمن خواہد داد — چشم نرگس بہ شقائق نگراں خواہد شد

مطربا مجلس انس است غزل خوان و سرود — چند گوئی کہ چنیں است چناں خواہد شد

بلبل بشاخ سرو بہ گلبانگ پہلوی — می خواند دوش درس مقامات معنوی

مرغان باغ قافیہ سنجند و بذلہ گو — تا خواجہ مے خورد بہ غزلہائے پہلوی

در وی پشم و گدا و برابر سے نکنم — پشمیں کلاہ خویش بصد تاج خسروی

خوش فرش بوریا و گدائے خواب امن — کیں عیش نیست در خور اورنگ خسروی

آخر الامر گل کوزہ گراں خواہی شد — حالیا فکر سبو کن کہ پر از بادہ کنی

ای کہ در کوی خرابات مقامے داری — ہم وقت خودی از دست بہ جامے داری

ای کہ با زلف و رخ یار گذاری شب و روز — فرصتت باد کہ خوش عیش دوامے داری

می خواہ و گل افشاں کن از دہر چہ می جوئی — ایں گفت سحر گہ گل بلبل تو چہ می گوئی

مسند بہ گلستان بر شاہد و ساقی را — لب گیری و رخ بوسی می نوشی گل بوئی

خواجہ صاحب نے اس خاص کمال، جوش بیان، کا اندازہ اس وقت اچھی طرح ہو سکتا ہے جب اپنی مضامین کے متعلق اور اساتذہ کے کلام کا موازنہ کیا جائے نمونہ کیلئے ہم صرف چند شعروں پر اکتفا کرتے ہیں

---

رندی وعاشقی وقلاشی — عاشق و رند نظر بازم و میگویم فاش (حافظ)

(سلمان) ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست — تا بدانی کہ بہ چندین ہنر آراستہ ام

درون صافی از اہل صلاح و زہد مجوی — راز درون پردہ ز رندان مست پرس

کہ این نشانۂ رندان دردی آشام است — کین حال نیست صوفی عالیمقام را (حافظ)

(سلمان) مکن ملامت رندان وگر بہ بدنامی — گرچہ بدنامی است نزد عاقلان

کہ ہرچہ پیش تو ننگ ست نزد ما نام است — مانمی خواہیم ننگ و نام را

غرض از کعبہ و بت خانہ توئی سلمان را — جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو

بحکم خانہ بے خانہ خدا باید رفت — خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

من از آن روز کہ در بند توام آزادم — فاش می گویم و از گفتہ خود دلشادم

پادشاہم چو بدست تو اسیر افتادم — بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

ای گنج نوشدارو بر خستگان نظر کن — یا رب این باکہ تو آن گفت کہ آن نوشین لب

مرہم بدست ما مجروح می گذاری — کشت ما را و دم عیسیٰ مریم با اوست

## بدیع الاسلوب یعنی جدت خوبی ادا

اکثر مضامین ایسے ہیں جو مدتوں سے بندھتے آتے تھے یا نیسے نہ تھے لیکن بجائے خود معمولی مضمون تھے جن میں کوئی دلفریبی نہ تھی خواجہ صاحب کے حسن اسلوب اور جدت ادا نے اس کو نہایت دل آویز اور لطیف کر دیا ہے، مثلاً معشوق کی آنکھ کو سب مخمور سرشار اور مست کہتے ہیں خواجہ صاحب اسی بات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں۔

ہرکس کہ بدید چشم او گفت        کو محتسبے کہ مست گیرد

یعنی جسنے اسکی آنکھ دیکھی بول اٹھا کہ کہیں محتسب نہیں کہ مست کو گرفتار کرے

معشوق کی زلف کو بنفشہ پر ترجیح دینا معمولی بات ہے خواجہ صاحب سکو اسطرح ادا کرتے ہیں

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد        صبا حکایت زلف تو درمیاں انداخت

یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہے کہ تصویر کھینچ دی ہے، بنفشہ گویا ایک حسین اور جمیلہ ہے اسکی زلفیں نہایت خوبصورت اور گھونگروالی ہیں، وہ بڑے ناز و انداز سے بیٹھی ہوئی چوٹی میں گرہ لگارہی ہے اتنے میں ہوا کہیں سے آنکلی اسنے معشوق کی زلفوں کا ذکر چھیڑ دیا، بنفشہ عین غرور اور ناز کی حالت میں شرماکر رہ گئی جدت میں جدت یہ ہے کہ نتیجہ یعنی بنفشہ کا شرمندہ ہوجانا بیان نہیں کیا کہ اسکے اظہار کی ضرورت نہیں

زاہد کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گو وہ شراب وغیرہ استعمال نہیں کرتا تاہم چونکہ اسکی فتوحات اور نذور ریا اور زور کے ذریعے سے ہاتھ آتی ہیں اسلئے وہ بھی حرام سے کم نہیں اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست        نان حلال شیخ ز آب حرام ما

یعنی مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی میرے آب حرام (شراب) سے بازی نہ لے جا سکے جدت اسلوب کے ساتھ ہر لفظ ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے،

ترسم سے دکھایا ہے کہ میں اسبات کو بطور شماتت کے نہیں کہتا بلکہ ہمدردی کے لحاظ سے مجکو کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہو قیامت کو باز خواست کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ کھوٹے کھرے کے پرکھنے کا دن ہے

نان حلال اور آب حرام کے مقابلے کے علاوہ صنعت اضداد کے جو نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے اصل مضمون کو نہایت بلیغ کردیا ہے یعنی زاہد کی روٹی باوجود حلال ہونے کے میرے آب حرام سے بازی نہ لیجائے تو زاہد کیلئے کس قدر افسوس کا سبب ہوگا

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد — کہ می حرام ولے بہ زمال اوقاف است

اس طرزِ ادا کی بلاغت پر لحاظ کرو، اول تو اس امر کا اعتراف کہ شراب گو حرام سہی لیکن مالِ وقف سے بہر حال اچھی ہی خود فقیہ کی زبان سے اقرار کرایا ہے اسکے ساتھ مست کی قید لگا دی ہے جس سے یہ کہنا مقصود ہے فقیہ سچی بات کا اظہار یوں کا ہیکو کرتا مست تھا اسکے پس و پیش کا خیال نہ آیا اور جو دل میں تھا زبان سے کہہ گیا۔

زاہد خدا کا تصور جو دلوں میں قایم کراتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ مجسم قہر و غضب ہے ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہوتا رہتا ہے اور نہایت بے رحمانہ سزائیں دیتا ہے لیکن اہلِ نظر کے نزدیک خدا سرتاپا لطف اور رحم ہے۔ اس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں

پیر دردی کش ما گرچہ ندارد زر و زور — خوش عطا بخش و خطا پوش خدائے دارد

خدائے کی تنکیر نے کیا لطف پیدا کیا ہے، گویا ایسا خدا بہت غیر معروف ہے زاہد وغیرہ سے اس سے مطلق شناسائی نہیں۔ یہ مضمون کہ میں نے معشوق کا انتخاب ایسی دیدہ وری سے کیا کہ یہ شخص نے اسکی داد دی، اسکو یوں ادا کرتے ہیں

ہر کس کہ دید روی تو بوسید چشم من — کارے کہ کرد دیدۂ من بے نظر نہ کرد

یعنی جسنے یہ چہرہ دیکھا میری آنکھیں چوم لیں کہ کیا عمدہ انتخاب ہے، میری آنکھ نے جو کام کیا دیکھ بھال کے کیا، شاہد بازی کی نسبت یہ عذر خواہی کہ اور لوگ بھی تو کرتے ہیں، عام مضمون ہے سعدی فرماتے ہیں

گر کند میل بہ خوباں دل من خردہ مگیر — کیں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اسی مضمون کو خواجہ صاحب جدید اور لطیف اسلوب سے ادا کرتے ہیں،

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ — ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

شعر کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ میں اگرچہ گنہگار اور نالایق ہوں لیکن خدا کا شکر ہے کہ شہر والے لوگ پاکیزہ اخلاق ہیں جنکی برکت سے میری شامت اعمال کا اثر اوروں پر نہ پڑے گا لیکن حقیقت میں یہ اوروں پر در پردہ چوٹ ہے، سعدی نے کھلے لفظوں میں کہا خواجہ صاحب

کنایۃً ادا کرتے ہیں۔ خدا کے عفو کے بھروسے پر شراب پینے کی جرات اس پیرایہ میں دلاتے ہیں

بیار بادہ بخور زاں کہ پیر میکدہ دوش ۔۔۔ بسے حدیث غفور و رحیم و رحمن گفت

اس موقع پر خدا کے متعدد نام جنسے رحم اور مغفرت کا اظہار ہوتا ہے لا لاکس قدر بلاغت ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اس انداز میں ادا کرتے ہیں

سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود ۔۔۔ کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

مطلب ہے کہ دنیا کا کچھ اعتبار نہیں اسلئے یہ چند روزہ زندگی عیش و عشرت میں گذار دو کل خدا جانے کیا ہوگا اس مضمون کیلئے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، عیش اور کامیابی میں جمشید سب نام آور ہے تاہم خود اسکی مجلس میں یہ راگ گایا جاتا تھا اس سے بڑھکر دنیا کی بے ثباتی کا کیا ثبوت ہوگا جمشید کا نام اس بے حقیقتی سے لینا کہ القاب و خطاب ایکطرف پورا نام بھی نہیں اس مضمون کو نہایت باثر کر دیتا ہے

شرم از اں چشم سیہ بادش و مژگان دراز ۔۔۔ ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من است

اس مضمون کے ادا کرنے کا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ جو شخص میرے اوپر اعتراض کرتا ہے اگر معشوق کو دیکھ لیتا تو اعتراض سے باز آتا اسکو یوں ادا کیا ہے کہ جو شخص میرے دل باختگی پر اعتراض کرتا ہے اسکو معشوق کی آنکھ اور مژگان سے شرم نہیں آتی یعنی مجھ پر اعتراض کرنا گویا آنکھوں کی دلربائی سے انکار کرنا ہے

یارب بہ کہ بتوان گفت این نکتہ کہ در عالم ۔۔۔ رخسارہ بہ کس ننمود آن شاہد ہرجائی

اس مضمون کو کہ شاہد مطلق (خدا) کا جلوہ اگرچہ ایک ایک ذرہ میں چمکتا ہے لیکن اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے، کس بدیع اسلوب سے ادا کیا ہے یعنی کس قدر تعجب ہے کہ ہرجائی بھی ہے اور آجتک کسی نے اس کو دیکھا بھی نہیں وصالی نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے

لسے کہ در ہیچ خانہ داری جب ۔۔۔ بو العجب ماندہ ام کہ ہرجائی

لیکن خواجہ صاحب کی طرز ادا میں لطافت کے علاوہ، اسلوب بھی زیادہ معنی خیز ہے۔

بدیع الاسلوبی کے اچھی طرح سمجھہ میں آنے کیلیے ہم چند مثالیں لکھتے ہیں جنسے ظاہر ہوگا
کہ ایک مضمون جو کسی اور استاد نے باندھا تھا خواجہ صاحب نے خوبی ادا سے اسکو کس قدر بلند رتبہ کردیا ہے

سعدی
توگرچہ امیری و ما فقیریم
دل داری دوستاں ثواب است

حافظ
در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست
ای پادشاہ حسن سخن با گدا بگو

سعدی
ای بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم
تو عشق گلے داری من عشق گل اندامی

حافظ
بنال بلبل اگر با منت سر یاری است
کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است

شیخ صاحب کہتے ہیں کہ "بلبل اگر تو رونے پر آمادہ ہو تو میں بھی تیرا ساتھہ دینے کو موجود ہوں مجکو
تجھہ سے ہمدردی کی یہ وجہ ہے کہ تو گل پر عاشق ہے اور میرا معشوق بھی گل اندام ہے" غرض
شیخ نے ہمدردی کی وجہ، معشوق کا ایک گونہ اشتراک قرار دیا ہے لیکن یہ پہلو نزاہت اور غیرت سے
ذرا ہٹا ہوا ہے اسلیے خواجہ صاحب ہمدردی کی وجہ صرف عشق کی شرکت قرار دیتے ہیں معشوق
کے اشتراک سے کوئی تعلق نہیں اسکے ساتھہ خود بلبل کے پیرو نہیں بنتے بلکہ بلبل کو اپنا بناتے ہیں "دو"
کے لفظ پر جو زور دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشق کے دعویدار صرف دو ہی ہو سکتے ہیں عاشق
اور بلبل ان باتوں کے ساتھہ زار اور زاری کے اجتماع اور مطلع ہونے نے شعر کو نہایت بلند پایہ کردیا ہے

سعدی
ای گنج نوشدارو بر خستگاں نظر کن
مرہم بدست ما را مجروح می گذاری

حافظ
چہ عذر از بخت خود گویم کہ آں عیار شہر آشوب
بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہاں دارد

خواجہ صاحب نے شیخ کے مضمون کا پیرایہ کس قدر لطیف کردیا ہے۔

سلمان
رندی و عاشقی و قلاشی
ہیچ شکے نیست کہ در ہمہ ہست

حافظ
عاشق و رند و نظربازم و میگویم فاش
تا بدانی کہ بچندیں ہنر آراستہ ام

چستی بندش اور جدت بیان کے علاوہ سلمان صرف یہ کہتے ہیں کہ مجھہ میں یہ سب

باتیں ضرور ہیں اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان باتوں پر ان کو فخر ہے یا ندامت خواجہ صاحب صرف ان اوصاف کے پائے جانے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ان کو باعث ناز قرار دیتے ہیں ع

تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام

| حافظ | سلمان |
|---|---|
| گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں | مکن ملامت رنداں وگرنہ بدنامی |
| مانمی خواہیم ننگ و نام را | کہ ہرچہ پیش تو ننگ است نزد ما نام است |

سلمان کہتے ہیں کہ ہمکو ملامت نہ کرو کیونکہ جس چیز کو تم ننگ سمجھتے ہو وہی ہمارے نزدیک ناموری کی بات ہے، اس مضمون میں یہ نقص ہے کہ اس سے اس قدر پھر ثابت ہوتا ہے کہ ان کو نام کی خواہش ہے گو وہ نام اوروں کے نزدیک ننگ ہے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمکو نام ننگ سے سرے سے غرض ہی نہیں اور رندی کی یہی شان ہے۔

| حافظ | سلمان |
|---|---|
| شاہد آن نیست کہ موے ومیانے دارد | شاہد آں نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل |
| بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد | شاہد آں است کہ ایں دارد و آنے دارد |
| | دیدہ ام طلعت زیباش کہ آنے دارد |
| | ایں ہمہ شیفتہ من از پے آں میگردم |

اصل مضمون یہ تھا کہ معشوق پن صرف تناسب اعضاء کا نام نہیں بلکہ اصلی چیز ناز اور انداز ہے سلمان نے اس مضمون کو جس طرح ادا کیا ہے اس میں ایک اور لفظی خوبی یعنی این و آں کا مقابلہ شامل کردیا جس سے اصل مضمون کا زور گھٹ گیا اسلئے خواجہ صاحب نے اصل مضمون کو صنعت لفظی سے بالکل الگ کرکے بیان کیا لیکن این و آں کا لطف بھی ہاتھ سے دینے کے قابل نہ تھا اسلئے دوسرے موقع پر اسکو زیادہ نمایاں پیرایہ میں ادا کیا۔

| | |
|---|---|
| یار ما ایں دارد و آں نیز ہم | ایں کہ می گویند آں بہتر ز حسن |

اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں، ہم کو صرف نمونہ دکہانا مقصود تھا۔

ان جزئی اسالیب سے قطع نظر کرکے کلی اسالیب پر نظر ڈالو خواجہ صاحب نے جن مضامین کو زیادہ تر باندھا ہے وہ شراب کی تعریف، رندی و سرمستی کی ترغیب دنیا کی بے ثباتی، واعظوں اور زاہدوں کی پردہ دری ہے ان میں سے ہر مضمون کے ادا کرنے کا جو پیرایہ اختیار کیا ہے اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا اور یہی وجہ ہے کہ انہی مضامین پر اور اساتذہ کے سینکڑوں ہزاروں اشعار موجود ہیں لیکن عام محفلوں میں خواجہ صاحب ہی کے ترانے زبانوں پر ہیں

**واردات عشق** خواجہ صاحب نے شاعری کی مختلف انواع کو لیا ہے اور ہر نوع کو اعلی رتبہ پر پہونچایا ہے لیکن ان کی اصلی شاعری، عشق وعاشقی اور رندی و سرمستی ہے، رندانہ مضامین وہ جس آزادی رنگینی اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں اسکی تفصیل جوش بیان کے عنوان میں گذرچکی، عشقیہ مضامین سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہے لیکن یہ نکتہ ملحوظ رکہنا چاہیے (جیسا کہ ہم ابتدا میں لکہ آئے ہیں) کہ خواجہ صاحب کے عشقیہ جذبات غم اور درد سے کم تعلق رکہتے ہیں، وہ فطرتاً شگفتہ مزاج اور رنگین طبع تھے اسلئے عشق و عاشقی سے ان کو وہیں تک تعلق ہے جہاں تک لطف طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آئے، وہ ناامیدی حسرت، یاس وغیرہ کچھہ لکہتے ہیں تو محض تقلید ہوتی ہے، وہ غمگین منہ بنانا بھی چاہتے ہیں تو چہرہ سے شگفتگی نہیں جاتی، اس بنا پر وہ شوق، نازونیاز، بوس کنار، بزم آرائی مجلس افروزی کے جذبات اچھی طرح ادا کرسکتے ہیں، وہ اس قسم کا عشق نہیں کرتے کہ کسی کے پیچھے زندگی برباد کردیں گلیوں میں پڑے پھریں ان کا عشق ہی لطف نظر ہے اچھی صورت سامنے آئی دیکھہ لی دل تازہ ہوگیا، پاس بیٹھ گئے ہمزبانی کا لطف اٹھایا زیادہ پھیلے تو سینہ سے لگالیا گلے میں باہیں ڈالدیں، اس حالت میں بھی کوئی برا خیال نہیں پاکبازی اور پاک نظری کی روک قایم ہے خود فرماتے ہیں،

منم کہ شہرۂ شہرم بہ عشق ورزیدن     منم کہ دیدہ نیالودہ ام بہ بد دیدن

باایں ہمہ عشق ومحبت میں جو جو وارداتیں گذرتی ہیں ایک ایک سے باخبر ہیں اوران
سب جذبات کو اسی سچائی اُسی واقعیت اسی جوش کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں جس طرح دل میں
آتے ہیں اور یہی اصلی شاعری ہے وہ کوئی بات نہیں کہتے جب تک کوئی جذبہ دل میں پیدا نہیں
ہوتا معشوق کی تعریف بھی جو شاعروں کا دن رات وظیفہ ہے کرنا چاہتے ہیں تو اسی وقت
کرتے ہیں جب معشوق کی کسی نئی ادا سے دل پر چوٹ پڑتی ہے، ورنہ یوں کچھ کہہ جاتے ہیں تو
اس کو بیکار سمجھتے ہیں، خود فرماتے ہیں۔

نکتۂ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار     عشوہ فرمائے تا من طبع را موزوں کنم

غنی نے اسی بات کو اپنے انداز میں کہا ہے

جلوۂ حسن تو آورد مرا بر سر فکر     تو حنا بستی و من معنی رنگیں بستم

خواجہ صاحب اس نکتہ سے خوب واقف ہیں کہ عشق محض ظاہری حسن وجمال سے نہیں
پیدا ہوتا اور ہوتا ہے تو وہ عشق نہیں بلکہ ہوس پرستی ہے عشق کے لئے ......
معشوق میں حسن وجمال کے سوا اور بہت سی ادائیں ہونی چاہئیں اسی نکتہ کو سلمان ساوجی
نے بھی ادا کیا تھا۔

شاہد آں نیست کہ دارد خط و سبز و لب لعل     شاہد آں ست کہ ایں دارد و آنے دارد

لیکن سلمان نے آن کی تخصیص کردی ہے خواجہ صاحب بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔

شاہد آں نیست کہ موے و میانے دارد     بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

لیکن یہیں تک بس نہیں کرتے، بلکہ آگے بڑھتے ہیں

ہزار نکتہ دریں کار و بار دلداری ست     کہ نام آں نہ لب لعل و خط زنگاری ست

عاشق جب عشق سے لطف اٹھاتا ہے تو عام فطرت انسانی کے لحاظ سے اوروں کو
بھی اس مزہ کے اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے، اس جذبہ کو عجیب لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے

مصلحت دید من آں ست کہ یاراں ہمہ کار     بگذارند و سر زلف نگارے گیرند

شہرے پر از حریفاں ز ہر طرف نگار — یاران! صلائے عشق ست گر می کنید کار

اس مستی کو دیکھو کہ یار کوئی کام کرنا ہے تو بس یہ (عشق) کرنے کا کام ہے

عاشق کو جب وصل کا تصور آتا ہے تو یہ جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ معشوق کو طرح طرح سے آراستہ کرونگا پھولوں کے زیور پہناؤنگا تخت پر بٹھاؤں گا اور عرض کرونگا کہ معشوقانہ انداز سے بیٹھے اور تماشائیوں پر بجلی گرائے ان جذبات کی تصویر دیکھو

بہ تخت گل بہ نشانم بتے چو سلطانے — ز سنبل و سمنش ساز و طوق و یارہ کنم
(چنبیلی زیور طوق کنگن)

کرشمہ کن و بازار ساحری بشکن — بہ غمزہ رونق بازار سامری بشکن

بہ بادِ دہ سر و دستار عالمے یعنے — کلاہ گوشہ بہ آئین دلبری بشکن
(ٹوپی کو پگڑیاں اچھال)

چو عطر سائی شود زلف سنبل از دم باد — تو قیمتش بہ سر زلف عنبری بشکن

بہ زلف گوئی کہ آئین دلبری مگذار — بہ غمزہ گوئے کہ قلب ستمگری بشکن

بروں خرام و ببر گوئی خوبی از ہمہ کس — سزای حور بدہ رونق پری بشکن

عام لوگ سمجھتے ہیں کہ وصل میں دل کے کانٹے نکل جاتے ہیں اور تسکین ہوجاتی ہے لیکن صاحب ذوق جانتا ہے کہ وصل میں آتش شوق اور بھڑکتی ہے اور دل کا ولولہ کسی طرح کم نہیں ہوتا اسی بنا پر عرب کا شاعر کہتا ہے۔

بِکُلٍّ تَدَاوَیْنَا فَلَمْ یَشْفِ مَا بِنَا — عَلٰی اَنَّ قُرْبَ الدَّارِ خَیْرٌ مِنَ الْبُعْدِ

یعنی ہم سب کر کے دیکھ چکے ہیں کسی سے تسلی نہیں ہوتی تاہم ہجر سے وصل پھر اچھا ہے

خواجہ صاحب اس نکتہ کو یوں ادا کرتے ہیں

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت — واندراں برگ و نوا خوش نالہای زار داشت

گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست؟ — گفت مارا جلوۂ معشوق دریں کار داشت

معشوق نے چند روز بیوفائی برتی ہے، پھر صاف ہوگیا عاشق کو پہلی باتیں یاد آتی ہیں لیکن قصداً بہلاتا ہے اور معشوق کو مطمئن کرتا ہے کہ مجکو کوئی شکایت نہیں، اتفاقیہ باتیں تہیں

ہو گئیں اس حالت کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے۔

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت	ور ز ہندوئی شما بر من جفائی رفت رفت

اس بلاغت کو دیکھو کہ ظلم و ستم کو معشوق کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ زلف کا نام لیتا ہے اور اسکو ہندو اور ظالم کہتا ہے کہ اس سے یہ کیا بعید ہے۔

برق عشق ار خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت	جور شاہ کامران گر بر گدائی رفت رفت

گر دلی از غمزۂ دلدار باری برد برد	در میان جان و جانان ماجرائی رفت رفت

کبھی عاشق کے دل میں یہ جذبہ اٹھتا ہے کہ معشوق کو اور لوگ بھی چاہتے ہونگے لیکن میری سی جانبازی کون کر سکتا ہے۔ اس خیال کو محبت کے انداز سے معشوق کے سامنے بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ خواجہ صاحب اس جذبہ کو اس پیرایہ میں ادا کرتے ہیں

شب مجنوں بہ لیلیٰ گفت کای معشوق بی ہمتا	ترا عاشق شود پیدا ولی مجنوں نخواہد شد

اس موقع پر مجنوں کے لفظ نے کیا بلاغت پیدا کی ہے یہ مضمون سینکڑوں نے باندھا ہے لیکن یہ پیرایہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔

بعض وقت جب معشوق کا ناز اور تمکنت حد سے گذر جاتی ہے تو عاشق تنگ آکر کہہ دیتا ہے کہ اتنا بھی حد سے نہ گذرئے۔ دنیا میں اور ہزاروں صاحب جمال ہیں۔ معشوق بھی جانتا ہے کہ بات سچ ہے لیکن سمجھتا ہے کہ عاشق کے منہ سے کچھ خلاف ہے ان جذبات کو خواجہ صاحب اس طرح ادا کرتے ہیں

صبحدم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت	ناز کم کن کہ دریں باغ بسی چون تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولی	ہیچ عاشق سخن سخت بہ معشوق نگفت

عشق کے جذبات اگرچہ عالم شباب کیلئے خاص ہیں لیکن بڑھاپے میں بھی یہ آگ سرد نہیں ہوتی عاشق پر اس زمانہ میں مختلف حالات گذرتے ہیں کبھی کہتا ہے،

ع	رندی و ہوسناکی در عہد شباب اولیٰ

کبھی خیال کرتا ہے کہ عشق کی گرمی خود جوان بنا دے گی، اس حالت میں کبھی معشوق سے کہتا ہے

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر　　　　که سحر گه ز کنار تو جوان برخیزم

کبھی کہتا ہے۔

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم　　　　ہر گہ کہ یاد روی تو کردم جواں شدم

اسی بنا پر رکن الدین کاشی نے کہا ہے ع عشق در ایام پیری چوں بہ سر آتش است

ان خیالات کے ساتھ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ حالت عبرت انگیز ہے اس حالت میں خود اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے اور عبرت کے لہجہ میں کہتا ہے۔

دیدی دلا کہ آخر پیری و زہد و علم　　　　با من چہ کرد دیدۂ معشوق باز من

یہ سب اصلی وارداتیں ہیں جو عاشق کو پیش آتی ہیں خواجہ صاحب نے انکو بے کم و کاست ادا کیا ہے، معشوق جب صاحب جاہ اور عاشق مفلس اور کم مایہ ہوتا ہے تو معشوق کو عاشق کی طرف التفات سے عار ہوتی ہے لیکن عاشق میں یہ احتیاط ملحوظ نہیں، اس بنا پر قاصد سے خطاب کرکے کہتا ہے

گر دیگرت براں در دولت گذر بود　　　　بعد از ادائے خدمت و عرض دعا بگو

در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست　　　　اے بادشاہ حسن سخن با گدا بگو

غرض اس طرح کے سینکڑوں جذبات ہیں جنکو خواجہ صاحب نے نہایت خوبی سے ادا کیا ہے اور جسکی مثال اساتذہ کے کلام میں نہیں مل سکتی ہم سرسری طور پر یکجا کی چند اشعار نقل کرتے ہیں

معشوق کی نسبت بدگمانی۔

خواب آں نرگس فتان تو بے چیزی نیست　　　　تاب آں زلف پریشان تو بے چیزی نیست

ظلم کے بعد معشوق کے رحم کی داد،

آفریں بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب　　　　کشتۂ غمزہ خود را بہ نماز آمدہ

رقیب سے چھپاکر سرگوشی

خدارا اے رقیب امشب زمانے دیدہ برہم نہ | کہ من با لعل جان بخشش نہانی یک سخن دارم

معشوق کی عام آمیزی کی شکایت

زمن ز دست صبا گوش و پیغام رقیب | ایں ہمہ ہمہ در ساختہ یعنے چہ

عشق سے پارسائی میں فرق آنے کا خطرہ۔

می ترسم از خرابی ایماں کہ می برد | محراب ابروئے تو حضور نماز من

معشوق نے چارہ ساز ہوکر چارہ نوازی نہ کی

چہ عذر از بخت خود گویم کہ آں عیار شہر آشوب | بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہاں دارد

با کہ ایں نکتہ تواں گفت کہ آں سنگین دل | کشت مارا و دم عیسے مریم با او ست

بوسہ کے ساتھ گالی کا مزہ

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست | بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

باوفا معشوق کی نظیر پیش کرکے معشوق سے التفات کی خواہش،

پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند | ای دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

حیا اور رونے کی وجہ سے افشائے راز

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز | دگرنہ عاشق و معشوق راز دار اند

اوروں کی کامیابی پر حسرت،

جو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی | بہ یاد آر حریفاں بادہ پیما را

داستان عشق کی دلچسپی

یک قصہ بیش نیست غم عشق ایں عجب | از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

معشوق پر فدا ہونے کا انتظار اور اس کا اعتراض۔

می خواستم کہ میرمش اندر قدم چو شمع | او خود گذر بہ ما چو نسیم سحر نکرد

معشوق کی یاد میں شب گذاری کا لطف،

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح  بوی زلف تو ہماں مونس جان است کہ بود

معشوق نہ دستہ ہاتھ آتا اور خود طلقت ہوتا ہے

از بہر بوسۂ ز لبش جان ہمی دہم  اینم ہمی ستاند و آنم نمی‌دہد

اہل تقوی برا مانیں تو مانیں، شاہد پرستی نہیں چھوڑی جا سکتی۔

شراب لعل کش و روی مہ جبیناں بیں  خلاف مذہب آناں جمال ایناں بیں

**فلسفہ** خواجہ صاحب کا فلسفہ قریباً وہی ہے جو خیام کا ہے خواجہ صاحب نے انہی مسائل کو زیادہ تفصیل، زیادہ توضیح اور زیادہ جوش کے ساتھ ادا کیا ہے چنانچہ ہم ان کو بدفعات بیان کرتے ہیں

(۱) انکا فلسفہ اس مسئلہ سے شروع ہوتا ہے کہ انسان کو کائنات کے اسرار اور ان کی حقیقت کچھ معلوم نہیں اور نہ معلوم ہو سکتی ہے، اس مضمون کو سقراط، فارابی، ابن سینا، خیام سب نے بیان کیا تھا لیکن خواجہ صاحب جس بلند آہنگی، اور جوش و ادعا کے ساتھ کہتے ہیں وہ ان کا خاص حصہ ہے

برو ای زاہد خودبیں کہ ز چشم من و تو  راز این پردہ نہان است و نہان خواہد بود

انداز بیاں کی بلاغت کو دیکھو، کلام کی ابتدا ایسے لفظ سے کی ہے جس سے زاہد کی دعوی راز دانی کی سخت تحقیر ظاہر ہوتی ہے، خودبین کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ دعوی صرف خودبینی کی بنا پر ہے پھر زاہد کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شریک کر لیا ہے جس میں زاہد کی خاطر داری اور دعوی کی تعمیم مقصود ہے یعنی اس امر میں عارف و زاہد عالم و جاہل سب برابر ہیں دوسرے مصرع میں نفی کے ساتھ آئندہ زمانے کو بھی داخل کر لیا ہے جس سے دعوی میں زیادہ زور اور تعمیم پیدا ہو گئی ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں  کایں جا ہمیشہ باد بہ دست است دام را

| | |
|---|---|
| حدیث از مطرب و می گوی و راز دهر کمتر جو | که کس نگشود و نگشاید به حکمت این معما را |
| دلا چو دید بازی این فرخ حقه باز | هنگامه باز چید و در گفتگو ببست |
| کس ندانست که منزل گه مقصود کجاست | این قدر هست که بانگ جرسے می آید |
| ساقیا جام بیم ده که نگارندهٔ غیب | نیست معلوم که در پردهٔ اسرار چه کرد |
| آنکه پر نقش زد این دایرهٔ مینائی | کس ندانست که در گردش پرکار چه کرد |
| نه شوی واقف یک نکته ز اسرار وجود | گر تو سر گشته شوی دایرهٔ دوران را |
| در کارخانهٔ که رهِ عقل و علم نیست | وہم ضعیف رائے فضول چرا کند |
| ما از برون در شده مغرور صد فریب | تا خود درون پرده چه تدبیر می کنند |
| جنگ ہفتاد و دو ملت ہمه را عذر بنه | چون نه دیدند حقیقت رہِ افسانه زدند |
| راز درون پرده چه داند فلک خموش | اے مدعی نزاع تو با پرده دار چیست |
| با ہیچ کس نشانے زاں دلستاں ندیدم | یا من خبر ندارم یا او نشاں ندارد |
| محروم دار انتظار درین پرده راه نیست | یا ہست پرده دار نشانم نمی دہد |

(۲) شاہد مطلق کا ظہور اگرچہ ہر جگہ ہے اور ذرہ ذرہ میں اسکی چمک موجود ہے لیکن کوئی شخص اسکو پہچان نہیں سکتا۔

(۳) اسرار کائنات اگرچہ حقیقۃً یں معلوم نہیں ہو سکتی لیکن جو کچھ بھی معلوم ہو سکتا ہے وہ علوم درسیہ کی تحصیل اور بحث مباحثہ سے نہیں ہو سکتا بلکہ مجاہدہ، ریاضت، وجدان اور کشف سے معلوم ہو سکتا ہے خواجہ صاحب نے ارباب ذوق اور مشاہدہ کا نام ساقی، بادہ فروش، رند، رکھا ہے اور اسی بنا پر ہر جگہ پیر مغاں اور بادہ فروش کی حلقہ بگوشی کا دعوی کرتے ہیں اور انکے مقابلہ میں زاہد یعنی علمائے ظاہری کو بے حقیقت سمجھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| راز درون پرده ز رندان مست پرس | کیں حال نیست صوفی عالی مقام را |
| مر خدا که عارف و سالک بہ کس نگفت | در حیرتم که باده فروش از کجا شنید |

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز | ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست
اے کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی | ترسم ایں نکتہ بتحقیق ندانی دانست
سر زحیرت بہ در میکدہ ہا بر کس دم | چون شناسائی تو در صومعہ یک پیر نبود
حلاج بر سر دار این نکتہ خوش سراید | از شافعی مپرسید امثال ایں مسائل

مرزا غالب نے اس خیال کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔

آن راز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است | بر دار تواں گفت بہ ممبر نتواں گفت

(۵) صوفیہ کے نزدیک علم حاصل ہونے کا ذریعہ بیرونی چیزوں کا مطالعہ نہیں ہے ان کے نزدیک دل پر جب ایک خاص طریقہ سے توجہ اور مدت تک اس پر مراقبت کی جاتی ہے تو دل خود ادراکات اور معلومات کا سرچشمہ بن جاتا ہے، جس طرح انبیا کا علم باہر سے نہیں آتا بلکہ فوارہ کی طرح اندر سے اچھلتا ہے، خواجہ صاحب نے اس مسئلہ کو نہایت پرجوش اور بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہی

دیدمش خورم و خنداں قدح بادہ بدست | واندراں آئینہ صدگونہ تماشا می کرد
گفتم ایں جام جہاں بیں بتو کے داد حکیم | گفت آں روز کہ ایں گنبد مینا می کرد

یعنی میں نے ساقی (عارف) کو دیکھا کہ خوشی سے کھلا جاتا ہے، ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے اسکو بار بار دیکھتا ہے اور اس میں اسکو گوناگوں عالم نظر آتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کارپرداز فطرت نے تمکو یہ جام جہاں بین کس دن عنایت کیا تھا بولا کہ جس دن یہ سبز گنبد (آسمان) تعمیر کر رہا تھا۔

(۶) خواجہ صاحب کا میلان زیادہ تر جبر کی طرف معلوم ہوتا ہے یعنی انسان خود مختار نہیں ہے کوئی اور قوت ہے جو اس سے کام لے رہی ہے، اگرچہ بعض جگہ اس کے خلاف بھی ان کے قلم سے نکل جاتا ہے مثلاً ع ہر عمل اجرے و ہر کار جزائے دارد،

لیکن ان کا اصلی رجحان طبع جبر ہی کی طرف ہے یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر خلاف عقل ہے لیکن فلسفہ کی انتہائی منزل یہی ہو اور بابِ فنا بھی اسی نشہ میں چور ہیں خواجہ صاحب جب اس عالم میں

آتے ہیں تو انکی سرمستی حد سے بڑھ جاتی ہے اور عجیب جوش خروش کا عالم ہوتا ہے،

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست  آنچہ استاد ازل گفت بکن آں کردم

بارہا گفتہ ام و بار دگر مے گویم  کہ من دل شدہ ایں رہ نہ بخود می پویم

بر دای ناصح و بر درد کشاں خردہ مگیر  کار فرمائی قدر می کند ایں من چہ کنم

برق غیرت کہ چنیں می جہد از پردہ غیب  تو بفرما کہ من سوختہ خرمن چہ کنم

مرا مہر نکو رویاں سر بیروں نخواہد شد  قضای آسمان است و دیگر گوں نخواہد شد

مرا روز ازل کارے بجز رندی نفرمودند  ہر آں قسمت کہ آں جا شد کم و افزوں نخواہد شد

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند  ما دل بہ عشوہ کہ دہیم، اختیار چیست؟

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند  آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

(۵) کمال اور ترقی کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں یہ غلط ہے کہ ع حریفاں بادہا خوردند و رفتند

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید  دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

(۶) بندگان خاص کی فطرت ہی جدا ہوتی ہے وہ بات ہر شخص کو نصیب نہیں ہو سکتی۔

گوہر جام جم از طینت خاک دگر است  تو توقع ز گل کوزہ گراں میداری

## فلسفہ اخلاق

خواجہ صاحبکی، اخلاقی تعلیم، اعلیٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت کی تصویر ہے ان کا طرز عمل خود ان کی زبان سے یہ ہے

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن  کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

ع فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نہ کنیم

ما نہ گوئیم بد و میل بہ ناحق نہ کنیم  جامہ کس سیہ و دلق خود ازرق نہ کنیم

نہ صرف اچھوں بلکہ بروں کو بھی ہم برا کہنا پسند نہیں کرتے کیونکہ گو برے کو برا کہنا چنداں مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی برائی سے خالی نہیں اسلئے سرے سے اس کام کو چھوڑ دینا بہتر ہے

عیب درویش و توانگر بہ کم و بیش بداست  کار بد مصلحت آں است کہ مطلق نہ کنیم

ہم اپنے نکتہ چینیوں اور مخالفوں سے بھی ناراض نہیں ہوتے اسلئے اگر وہ حق کہتے ہیں تو حق کے برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر غلط کہتے ہیں تو غلط بات کا کیا رنج،

حافظ از خصم خطا گفت نگیریم برو | ور بحق گفت جدل با سخن حق نکنیم

ہماری مجلس عام ہے کسی کی تخصیص نہیں جو چاہے آئے، ہم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں واعظوں اور زاہدوں کی طرح ہمارا اخلاق دوست دشمن عزیز و بیگانہ کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا۔

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو | گیر و دار حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است | ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ہم کو صرف مہر و محبت سے کام ہے، دشمنی بغض اور کینہ ہمارا طرز عمل نہیں

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم | از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

تفاخور بہ و ملامت کشیم و خوش باشیم | کہ در طریقت ما کافری است رنجیدن

بہ پیر میکدہ گفتم کہ چیست راہ نجات | بخواست جام می و گفت عیب پوشیدن

فرائض اور عبادت بہشت کے لالچ سے نہیں کرنی چاہئیں بلکہ اسلئے کرنی چاہئیں کہ فرض انسانی ہیں، بہشت بیشک معاوضہ میں ملے گی لیکن تمہارا مطمح نظر یہ ہونا چاہئیے کہ

تو بندگی چو گدایان بہ شرط مزد مکن | کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

من آں نگین سلیماں بہ ہیچ نستانم | کہ گاہ گاہ برو دست اہرمن باشد

مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جسکی تاثیر سے تمام جن اور انسان ان کے تابع تھے ایک دفعہ ایک شیطان نے اسکو کسی طرح اڑا لیا حضرت سلیمان کی سلطنت اور شان و شوکت سب جاتی رہی، یہاں تک کہ مچھلیاں پکڑکر زندگی بسر کرتے تھے، خواجہ حافظ کہتے ہیں کہ جس انگوٹھی پر کبھی کبھی شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے میں اسکو کوڑی کے مول بھی نہیں خریدتا

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم | گر بہ آب چشمۂ خورشید دامن تر کنم

بہ خرمن دو جہاں سر فرو نمی آرند | دماغ کبر گدایان خوشہ چینان بین
ما ملک عافیت نہ بہ لشکر گرفتہ ایم | ما تخت سلطنت نہ بہ بازو کشادہ ایم

لیاقت جب تک نہ ہو بڑوں کی برابری نہیں کرنا چاہئے۔

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف | مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

ذاتی لیاقت درکار ہے خاندانی شرف کافی نہیں،

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما | ورخود از گوہر جمشید و فریدوں باشی

تحصیل مقصد کے لئے کوشش درکار ہے۔

درزہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجاں | شرط اول قدم آں ست کہ مجنوں باشی

ترغیب عمل،

اے دل بکوی عشق گذاری نمی کنی | اسباب جمع داری کارے نمی کنی
چوگاں بدست داری وگوی نمی زنی | بازے چنیں بدست و شکارے نمی کنی

## علماء اور واعظین کی پردہ دری

اخلاقی تعلیم اس بات پر موقوف ہے کہ شاعر فطرت انسانی کا نکتہ شناس ہو

جو عیب اور برائیاں کھلی کھلی ہوتی ہیں ان کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن دقیق مخفی اور سربستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی اسلئے جو شاعر فلسفہ اخلاق کی تعلیم دینا چاہتا ہے اسکے لئے فطرت کا نکتہ شناس ہونا سب سے پہلی شرط ہے اسکے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ لطیف اور دل آویز طریقوں سے یہ عیوب ظاہر کئے جائیں تاکہ لوگوں کو گراں نہ گزریں بلکہ خود ان کو ان کے سننے میں لطف آئے مخفی اور دقیق عیوب جس قدر علماء میں اور واعظین اور زہاد میں پائے جاتے ہیں کسی فرقہ میں نہیں پائے جاتے چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اسکو نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن چونکہ یہ فرقہ ہمیشہ با اقتدار رہا ہے اسلئے ان کے عیوب ظاہر کرنا آسان بات نہیں، امام غزالی نے اس کا جو نتیجہ اٹھایا یہ تھا کہ انکی جان تک معرض خطر میں

آگئی اسلئے کسی کو ہمت نہوئی، شعرا میں سب سے پہلے خیام نے یہ جرات کی اسکے بعد شیخ سعدی نے دبی زبان سے کچھہ کچھہ کہا، مثلاً،

محتسب در قفائے رنداں است — غافل از صوفیان شاہد باز

برون نمی رود از خانقہ یکے ہشیار — کہ تا بہ شحنہ بگوید کہ صوفیاں مستند

گر کند میل بہ خوباں دل من خردہ مگیر — کیں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

لیکن جس دلیری، آزادی، اور بے باکی سے خواجہ صاحب نے اس فرض کو ادا کیا آجتک کسی سے نہ ہو سکا

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند — چو بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند

مشکلے دارم ز دانشمند محفل باز پرس — توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

گوئیا باور نمی دارند روز داورے — کیں ہمہ قلب و دغا در کار داور می کنند

دی دو بیتم چہ خوش آمد کہ سحر گہ میگفت — بر در میکدہ با دف و نے ترسائے

گر مسلمانی ازیں است کہ حافظ دارد — وای گر در پس امروز بود فردائے

یعنی کل شراب خانہ کے دروازہ پر ایک عیسائی دف بجا کر یہ گاتا تھا کہ اگر اسلام اسی کا نام ہے جو حافظ میں پایا جاتا ہے تو آج کے بعد اگر کل قیامت کا دن بھی آنیوالا ہے تو ہائے،،

اس شعر کا پیرایہ بیان بھی کس قدر بلیغ ہے اول تو جو کہنا ہے اسکو ایک عیسائی کی زبان سے کہا ہے جس سے علاوہ احتیاط کے مقصود یہ ہے کہ غیروں کو بھی ان بداعمالیوں پر افسوس اور رحم آتا ہے گانے اور بجانے کے شامل کرنے سے یہ غرض ہے کہ اس ذریعہ سے لوگ زیادہ جی لگا کر سنتے تھے اور زیادہ تشہیر ہوتی تھی اپنا نام لینے سے علاوہ احتیاط کے یہ مقصد ہے کہ دوسروں کا عیب کہتے تو ان کو توجہ نہ ہوتی۔ سب سے بڑا عیب مولویوں اور واعظوں میں ریاکاری کا ہوتا ہے اسلئے نہایت دلیری سے ان کی برائیاں بیان کی ہیں۔

گرچہ بر واعظ شہر ایں سخن آساں نشود — تا ریا ورزد و سالوس مسلماں نشود

یعنی گو واعظ کو یہ بات گراں گذریگی لیکن یہ ہے کہ جب تک وہ ریاکار رہیگا مسلمان نہیں ہو سکتا،

غلامِ ہمت دُردی کشانِ یک رنگم — نہ آں گروہ کہ ازرق لباس و دل سیاہ اند

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نبود — بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

من از پیر مغاں دیدم کرامت ہائے مردانہ — کہ این دلق ریائی را بہ جامی برنمی گیرد

می خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب — بہتر ز طاعتی کہ بہ روی و ریا کنند

ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازخواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن — مرو بہ صومعہ کان جا سیاہ کارانند

نقد ہا را بود آیا کہ عیارے گیرند — تا ہمہ صومعہ داراں پئے کارے گیرند

یعنی اگر سکے پرکھے جاتے تو سب خانقاہ نشین اپنا اپنا راستہ لیتے۔

مولویوں اور واعظوں کو اس میں بڑا کمال ہوتا ہے تقدس کے پردے میں اس طرح برائیاں کرتے ہیں کہ کسی کو انکی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا خواجہ صاحب نے اس نکتہ کو اس لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

ای دل طریق مستی از محتسب بیاموز — مست ست و در حق او کس این گماں ندارد

خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت — قصہ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

صوفیان واستدند (واپس لیا) از گرو می ہمہ رخت — دلق ما بود کہ در خانہ خمار بماند

یعنی صوفیوں نے اپنا خرقہ شراب کی عوض میں رہن بھی کیا اور واپس بھی لے لیا کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی، ہم رند، یوں رسوا ہوئے کہ ہمارا خرقہ پڑا رہ گیا۔

داشتم دلقی و صد عیب مرا می پوشید — خرقہ رہن مے و مطرب شد و زنار بماند

عیب چھپانے کی ایک بڑی گہری چال یہ ہے کہ کوئی او شخص اگر وہ عیب کرتا ہوا نظر آئے تو نہایت سختی سے اسپر دار و گیر کی جائے۔ اس راز کو خواجہ صاحب اسطرح فاش کرتے ہیں

بادہ با محتسب شہر نہ نوشی زنہار — کہ خورد بادۂ تو می و سنگ بہ جام اندازد

یعنی محتسب کے ساتھ کبھی شراب نہ پینا وہ تمہارے ساتھ شراب بھی پیے گا اور تمہارا

پیالہ بھی توڑ ڈالے گا، مولوی اور واعظوں میں ریاکاری علانیہ نظر آتی ہے اور مذہبی گروہ بھی اسکے اثر سے خالی نہیں ہوتے اس بنا پر خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

می خور کہ شیخ وحافظ وقاضی ومحتسب | چوں نیک بنگری ہمہ تزویر مے کنند
صوفیان جملہ حریف اند نظر باز ولے | زاں ہمہ حافظ سودازدہ بدنام افتاد

علمار کے اوصاف اور اخلاق پر خوب غور کرو تو نظر آئے گا کہ عوام کی عقیدتمندی اور نیازمندی کی وجہ سے ان میں نہایت عجب اور غرور پیدا ہو جاتا ہے اور اس وصف کو اسلئے ترقی ہوتی جاتی ہے کہ ان کو یہ باتیں مذہبی پیرایہ میں نظر آتی ہیں وہ کسی کو برا کہتے ہیں تو سمجھتے ہیں امر بالمعروف کی تعمیل ہے سلاطین اور حکام کی درباداری کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ احکام شرعی کے اجرار کیلئے اسکی ضرورت ہے کسی سے ذاتی عناد کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں تو کہتے ہیں یہ بغض للہ ہے غرور اور فخر کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ عزت نفس ہے اس بنا پر یہ تمام عیوب ان میں راسخ ہو جاتے ہیں خواجہ صاحب ان تمام عیبوں کی نہایت بلیغ اور لطیف پیرایوں میں پردہ دری کرتے ہیں

اگر از پردہ بروں شد دل من عیب مکن | شکر ایزد کہ نہ در پردۂ پندار بماند
درراہ ما شکستہ دلی می خرند و بس | بازار خود فروشی ازاں راہ دیگرست

یعنی ہمارے بازار میں صرف خاکساری کی قیمت ہے، باقی خود پرستی تو اس کا راستہ دوسری طرف سے نکلا ہے۔

زاہد شہر چو مہر ملک و شحنہ گزید | من ہم از مہر نگارے بگزینم چہ شود

یعنی جب زاہد نے بادشاہ پرستی اختیار کی، تو ہم بھی اگر کسی خوشرو سے دل لگائیں تو کیا ہرج ہے، یعنی بادشاہ پرستی سے شاہد پرستی بہتر ہے۔

شیب می جملہ گفتی ہنرش نیز بگو | نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

علمار کی عام حالت یہ ہے کہ امر حق کو عوام کی خاطر سے کبھی ظاہر نہیں کرتے بلکہ اگر اس میں

کوئی برائی کا پہلو ہے تو صرف اسی پر زور دیتے ہیں آج کل مغربی تعلیم قوم کیلئے کس قدر ضروری اور گویا شرط زندگی ہے لیکن صرف اسوجہ سے عوام اس سے وحشت کرتے ہیں کہ کبھی کوئی عالم اسکی ترغیب نہیں دے سکتا بلکہ ہمیشہ اسکی مخالفت کی جاتی ہے خواجہ صاحب نے نہایت موثر طریقے سے اس عیب پر ملامت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عوام کی خاطر سے حکمت اور حقیقت سے انکار کرو، شراب میں فائدہ بھی ہے اور نقصان بھی اور نقصان فائدہ سے زیادہ ہے تاہم خدا نے قرآن مجید میں فرمایا، فیہما اثم کبیر و منافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما، یعنی قمار اور شراب میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی لیکن نقصان زیادہ ہے جب خدا نے باوجود اسکے کہ شراب نہایت بری چیز ہے اسکے فائدوں کو چھپانا نہیں چاہا، البتہ یہ بتادیا کہ فائدے سے نقصان زیادہ ہے اور اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے توامر حق کو عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

خواجہ صاحب نے اس بات کو جابجا نہایت بلیغ اور لطیف پیرایوں میں ادا کیا ہے کہ مولویوں اور واعظوں کی نیکیاں بھی چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہیں اسلئے درگاہ الٰہی میں مقبول ہونے کے قابل نہیں،

در میخانہ بہ بستند خدایا مپسند — کہ در خانہ تزویر و ریا بکشایند

ترسم کہ صرفہ برد روز باز خواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

این خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولی — ویں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

## روزمرہ و محاورہ

خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان کے ہاں کلام میں روزمرہ اور محاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں جو الفاظ اور ترکیبیں رات دن استعمال میں آتے رہتے ہیں اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہے عموماً وہی ہوتے ہیں جو فصیح سلیس، نرم اور روان ہوں اور اگر ان میں کسی قدر کمی ہوتی ہے تو وہ روزمرہ کے استعمال سے نکل جاتی ہے کیونکہ رات

دن سنتے سنتے وہ الفاظ کانوں کو مانوس ہو جاتے ہیں۔ محاورات کا بھی یہی حال ہے محاورہ بنتا ہے جب ایک گروہ کا گروہ کسی جملہ کو کسی خاص معنی میں استعمال کرتا ہے اسلئے ضروری ہے یہ جملہ فصیح سلیس، اور رواں ہو، ورنہ تحاور عام میں نہیں آسکتا۔

ایک اور پہلو سے اس خصوصیت پر نظر ڈالو، فارسی زبان میں مفرد الفاظ بہ نسبت اور زبانوں کے نہایت کم ہیں اس کمی کی تلافی زبان نے محاورات اور مصطلحات سے کی۔ شاعری کیلئے زبان پر قدرت تمام حاصل ہونا سب سے ضروری شرط ہے خواجہ صاحب کی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اُنہوں نے جس قدر محاورات اور مصطلحات برتے، فارسی شعراء میں سے غالبًا کسی نے نہیں برتے اور یہ انکی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل ہے،

خواجہ صاحب کا تمام کلام اگرچہ روزمرہ محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے لیکن مثال کے طور پر ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں [لہ]

ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازخواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

صلاح کار کجا و من خراب کجا — ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

عنقا شکار کس نشود دام بازچیں — کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی — خدمت ما برسان سرو و گل و ریحان را

ترسم آں قوم کہ بر دردکشاں می خندند — در سر کار خرابات کنند ایماں را

برو بکار خود اے واعظ ایں چہ فریاد است — مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتادہ است

روی خوب است و کمال ہنر و دامن پاک — لاجرم ہمت پاکان دو عالم با اوست

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست — ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است — ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

لہ جو محاورات ان اشعار میں آئے ہیں انکے معنی ہم یکجائی لکھدیتے ہیں۔ صرفہ بردن بازی لیجانا، دام بارچیدن جال کو سمیٹ لینا، باد بدست بودن کچھ بات نہ آنا، خدمت اسلام، در سر کار چیزے کردن، صرف کر دینا یا لگا دینا، تراچہ افتادہ است تم کو کیا پڑی ہے، ہمت توجہ اور ہمدردی، بے اندام بے ڈول

دانا چو دید بازی این چرخ حقه باز ‌‌‌ — هنگامه باز چید و در گفتگو ببست

در راه ما شکسته دلی می خرند و بس — بازار خود فروشی ازاں راه دیگرست

اگرچه باده فرح بخش و باد گلبیزست — به بانگ چنگ مخور می که محتسب تیزاست

می خواست گل که دم زند از رنگ و بوی دوست — از غیرت صبا نفسش در دہاں گرفت

آسوده بر کنار چه پرکارے شدم — دوراں چو نقطه عاقبتم در میاں گرفت

فرصت نگر که فتنه در عالم اوفتاد — عارف به جام می زد و از غم کراں گرفت

حافظ چو آب لطف ز نظم تو می چکید — غیرے چگونه نکته تواند براں گرفت

مستم کن آں چناں که ندانم ز بیخودی — در عرصهٔ خیال که آمد کدام رفت

در حق من لبت آں لطف که می فرماید — سخت خوب است ولیکن قدرے بہتر ازیں

همائے همتم عمرے ست کز جاں — ہوائے آں قد و بالا گرفت است

دلم جز مهر مہرویاں طریقے بر نمی گیرد — ز ہر در می دہم پندش ولیکن در نمی گیرد

رخ و چشمے بدیں خوبی تو گوئی دل ازو برگیر — برو کیں وعظ بے معنی مرا در سر نمی گیرد

میاں گریه می خندم که چوں شمع اندریں مجلس — زباں آتشینم ہست لیکن در نمی گیرد

بدیں شعر تر و شیریں ز شاہنشه عجب دارم — که سر تا پای حافظ را چرا در زر نمی گیرد

یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب — بازی چرخ ازیں یک دو سه کاری بکند

نقد ہا را بود آیا که غبارے گیرند — تا همه صومعه داران پے کاری گیرند

حرف اوشاں همگی ہست گذشتند و گذشت — قصهٔ ماست که در کوچه و بازار بماند

مطرب عشق عجب ساز و نوائے دارد — نقش ہر پرده که زد راه بجائی دارد

ازاں راه دیگر است یعنی اس کا اور راستہ ہے، تیز جھلّا اور غصہ ور،

دم زدن دعویٰ کرنا، نفس در دہاں گرفتن دم گھٹنا، درمیاں گرفتن گھیر لینا، زدن کسی چیز پر ٹوٹ کر گر پڑنا، نکتہ گرفتن اعتراض کرنا، گرفتن ہوا میں اڑنا، در گرفتن اثر کرنا یا آگ لگانا، در زر گرفتن سونے میں تول دینا، پے کاری گرفتن کسی کام کے پیچھے پڑنا لیکن ایسے موقعوں پر اپنا راستہ لینا کے معنی میں آتا ہے

ازراہ نظر مرغ دلم گشت[10] ہوا گیر
اے دیدہ نظر کن کہ بہ دام کہ درافتاد

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشان ہر کہ درافتاد برافتاد[11]

چہ مستی است ندانم کہ رو بہ ما آورد
کہ بود ساقی؟ واین بادہ ازکجا آورد

رسیدن گل و نسرین بہ خیر وخوبی باد
بنفشہ شاد وخوش آمد سمن[12] صفا آورد

ازدیدہ خون دل ہمہ بر روئے ما رود
برروئے ما ز دیدہ ندانم چہا[13] رود

آن شد ای خواجہ کہ در صومعہ بازم بینی
کار ما بارخ ساقی ولب جام افتاد

رطل گرانم دہ اے مرید خرابات
شادی[14] شیخی کہ خانقاہ ندارد

شراب وعیش نہاں چیست کار بے بنیاد
زدیم بر صف نداں، وہرچہ بادا باد

یارب بوقت گل گنہ بندہ عفو کن
وین ماجرا بہ سر لب جو یار بخش

حاشا کہ من بہ موسم گل ترک مے کنم
من لاف عقل میزنم این کار کے کنم

ای مگس عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہ تست
عرض خود می بری و زحمت[15] ما می داری

دردمندان بلا زہر ہلاہل نوشند
قتل این قوم خطا باشد، ہاں تا نکنی[16]

اکثر محاورے ایسے ہیں جو صرف بول چال اور بے تکلفی میں استعمال ہوتے ہیں اہل قلم یہ سمجھکر کہ وہ متانت کے خلاف ہیں تصنیفات میں استعمال نہیں کرتے، مثلاً اردو میں یہ محاورہ جاؤ بھی، "سنے بھی دیکھئے، دیکھ لیا وغیرہ وغیرہ روزمرہ استعمال میں آتے ہیں لیکن ناسخ خواجہ، درد، سودا، وغیرہ انکو نظم کرنا متانت کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن اس سے زبان کی وسعت گھٹتی ہے اسلئے جن شعراء کو زبان کا زیادہ خیال ہے، مثلاً داغ وغیرہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر یہ تمام محاورات لاتے ہیں فارسی میں روزمرہ اور محاورہ کو خواجہ صاحب نے وسعت دی ان کے کلام میں ایسے بہت سے محاورات ملیں گے جو کسی اور کے کلام میں نہیں مل سکتے یہاں تک کہ بول چال

[16] ہاں تا نہ کنی دیکھو ایسا کبھی نہ کرنا

[10] گذشت نئی گذری بات ہوئی مارہ بجا ہی [11] وارد اصول اور قاعدہ کے موافق ہے درافتادن الجھنا، صفا آورد، خیر مقدم کے لئے کہتے ہیں [12] چہارود کیسے گذرے گی [13] شادی شیخی یعنی ان کے آنر میں اور فلاں بخشیدن ان کے صدقہ میں زحمت [15] اُٹھ سے برداشتن، کسی کو نہ ستانا،

کے لحاظ سے وہ محاورات بھی خواجہ صاحب نے لئے ہیں جو خاص لہجہ کے محتاج ہیں اور بغیر اس لہجہ کے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ مثلاً

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق ۔۔۔ گفتم اے خواجہ غافل ہنرے بہتر ازیں

ہنرے بہتر ازیں اکو ایک خاص لہجہ سے پڑھنا چاہیئے جس سے استفہام کے معنی پیدا ہوں یعنی کیا اس سے بڑھکر کوئی اور ہنر ہوگا یا مثلاً یہ شعر ؎ کنار بوسہ وصلش چگویم چوں نخواہد شد، یعنی جب یہ ہونا نہیں ہے اس کا ذکر کیا کروں۔ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں

**خوش نوائی**

صاحب ذوق صاف محسوس کرتا ہے کہ خواجہ صاحب کے کلام میں ایک خاص قسم کی خوشگوائی پائی جاتی ہے۔ شاعری میں موسیقی بھی شامل ہے اسلئے جو شعر موسیقی اور خوشنوائی سے الگ ہوگا شاعری کے رتبے سے گھٹا ہوگا خواجہ صاحب کے کلام میں یہ وصف مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے اکثر وہ غزلوں کی بحریں ایسی رکھتے ہیں جو موسیقی سے مناسبت رکھتی ہیں شعروں کے ارکان اور انکے ٹکڑے ایسے لاتے ہیں جو تال اور سم کا کام دیتے ہیں اس غرض کیلئے اکثر ہموزن الفاظ کا پے در پے آنا مدد دیتا ہے اور گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بار بار تان آکر ٹوٹتی ہے مثلاً

چو در دست است رودی خوش بزن مطرب سرودی خوش ۔۔۔ کہ دست افشاں غزل خوانیم و پاکوباں سر اندازیم
یکے از عقل می لافد دگر طامات می بافد ۔۔۔ بیا کیں داوری ہا را بہ پیش داور اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد ۔۔۔ من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم ۔۔۔ نسیم عطر گرداں را شکر در مجمر اندازیم
سرو روان من چرا میل چمن نمی کند ۔۔۔ ہمدم گل نمی شود یاد وطن نمی کند
دردم از یار است و درمان نیز ہم ۔۔۔ دل فدای او شد و جاں نیز ہم
گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت ۔۔۔ ور ز ہندوی شما بر من جفائے رفت رفت

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے قدما کے کلام میں صنائع لفظی یعنی صنعت

اشتقاق، ترصیع، ایہام نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، مراعات النظیر کو تناسب لفظی، جو حد سے گذر کر ضلع جگت بن جاتی ہے سلمان ساوجی نے رواج دیا اور کچھ زمانے تک بڑے زور شور سے جاری رہی ان صنعتوں کو عموماً شعرا نے محض صنعت کی حیثیت سے استعمال کیا یعنی اس لحاظ سے کہ اس کا التزام دقت آفرینی ہے اور دقت آفرینی ایک کمال کی بات ہے اس عام رو سے خواجہ صاحب بھی نہ بچ سکے چنانچہ مراعات النظیر، ایہام و طباق ان کے یہاں بھی جا بجا پائے جاتے ہیں مثلاً

تا دل ہرزہ گرد من رفت بہ چین زلف او — زاں سفر دراز خود قصد وطن نمی کند

سخن نماند سخن طے کنم شراب کجا است — بدہ بہ شادی روح رواں حاتم طے

ع نان حلال شیخ ز آب حرام ما، لیکن خواجہ صاحب نے زیادہ تر ان لفظی صنعتوں کو لیا ہے جن سے خوش آہنگی اور خوش نوائی پیدا ہو سکتی ہے۔

ایں کہ می گویند آں بہتر ز حسن — یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

اس شعر میں ایں و آں کا جو مقابلہ ہے اسکو ایک سطحی النظر یہ خیال کریگا کہ مراعات النظیر یا صنعت تضاد ہے لیکن ایک صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ ان دو لفظوں کی آواز کا تناسب اپنے جو خود بخود کانوں کو خوش معلوم ہوتا ہے اور موسیقی کی حیثیت سے دیکھیں تو یہ گیت کے اجزا ہیں مثلاً

قاصد حضرت سلمیٰ کہ سلامت بادا — چہ شود گر بہ سلامے دل ما شاد کند

اس میں سلمیٰ سلامت اور سلام جو ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں ان سے عام آدمی کو صنعت اشتقاق کا خیال پیدا ہوگا لیکن اصل میں یہ متناسب الفاظ ذرا سے فاصلے پر بار بار کانوں کو خوش آیند معلوم ہوتے ہیں مثلاً،

اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی — خدمت ما برساں سرو و گل و ریحان را

اس شعر میں سرو و گل و ریحان جو الفاظ آئے ہیں عام لوگ انکو مراعات النظیر یا صنعت اعداد وغیرہ کہیں گے لیکن اس شعر کی [illegible] ان متناسب الفاظ کا آخر میں آنا ایک خوشنوائی اور خوش آہنگی پیدا کرتا ہے جو دوسری صورت میں ممکن نہ تھی حالانکہ یہ ممکن تھا کہ یہ صنعتیں باقی رہتیں خواجہ صاحب کے کلام میں جہاں جہاں اس قسم کی صنعتیں نظر آئیں غور سے دیکھو تو ان میں دراصل خوشنوائی اور خوش آہنگی کا دھن ملحوظ ہوتا ہے

اعتمادے نیست بر دورِ جہاں　　بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم

از بہر بوسۂ لبش جاں ہمی دہم　　اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد

شیوۂ ناز تو شیریں خط و خال تو ملیح　　چشم و ابروی تو زیبا قد و بالای تو خوش

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت　　کنار آب رکناباد و گلگشت مصلا را

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت　　ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

برق عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت　　جور شاہ کامراں گر بر گدائے رفت رفت

غور کرو ان اشعار میں جہاں جہاں مکرر الفاظ آئے ہیں کس قدر کانوں کو خوش معلوم ہوتے ہیں۔ ظاہر ہیں اسکو صنعت تکرار کہدیگا لیکن کیا ہر جگہ کسی لفظ کا مکرر آنا کوئی لطف پیدا کرتا ہے

کارواں رفت و تو در خواب و بیاباں در پیش　　کے روی رہ ز کہ پرسی چہ کنی چوں باشی

مصرع آخیر میں تمکو خیال ہوگا کہ اسکی خوبی صرف یہ ہے کہ پے در پے سوالات کئے ہیں جس سے صنعت استفہام پیدا ہو گئی ہے لیکن اس سے قطع نظر کرکے دیکھو، یہ الفاظ کس طرح کانوں کو ایک خاص تناسب سے کھٹکا دیتے ہیں اور خوش آیند معلوم ہوتے ہیں۔

خدا را چہ ای منعم کہ درویش سر کوت　　درِ دیگر نمی داند رہِ دیگر نمی گیرد

**بندش کی چستی**

بندش کی چستی ایک وجدانی چیز ہے اسکی تعریف اور تحدید نہیں ہو سکتی لیکن مذاق صحیح آسانی سے اسکو احساس کرتا ہے مثلاً ان اشعار میں باوجود اتحادِ مضمون اور الفاظ کے بندش کی چستی کا جو فرق ہے ہر شخص محسوس کر سکتا ہے

مشاطہ را بجمال تو دیوانہ می کند　　کائینہ را خیال پری خانہ می کند　　سلیم

دل را نگاہ گرم تو دیوانہ می کند　　آئینہ را رخ تو پری خانہ می کند　　صائب

ہر کس کہ دید روی تو دیوانہ میشود　　آئینہ از رخ تو پری خانہ میشود　　غنی

سرچشمۂ حیات لب می چکان دوست　　عمرے دوبارہ سایۂ سرو روان دوست　　صائب

عیش ابد بکام دل دردمند تست　　عمر دوبارہ سایۂ سرو بلند تست　　نظرت

صائب — همیشه صاحب طول امل غمین باشد　　که چین لقمه زنابندی در آستین باشد

بیدل — دستگاه هر قدر بیش است کلفت بیشتر　　درخور طول است چین جامه که دارد آستین

خواجہ صاحب جیساکہ خود اُنہوں نے اپنے متعدد موقعوں پر تصریح کی ہے سلمان اور خواجو کی غزلوں پر غزلیں لکھتے ہیں ان غزلوں کے مقابلہ کرنے سے بندش کے زور اور چستی کا فرق صاف نظر آجاتا ہے

سلمان — همچنان مهر توام مونس جان است که بود　　گوهر مخزن اسرار همان است که بود
همچنان ذکر توام در روز بان است که بود　　حقهٔ مهر بدان مهر نشان است که بود — حافظ

"مونس جان" کے قافیہ کے جواب میں خواجہ صاحب کا شعر ہے،

از صبا پرس که ما را همه شب تا دم صبح　　بوی زلف تو همان مونس جان است که بود

سلمان — شوق هم افزون شده آرام کم و صبر نماند　　عاشقان بندهٔ ارباب امانت باشند — حافظ
در فراق تو دلے عهد همان است که بود　　لاجرم چشم گهربار همان است که بود

اس شعر میں سلمان کی بندش کی سستی صاف ظاہر ہے "در فراق تو" کا موقع پہلے مصرع کے ابتدا میں ہی وہاں سے الگ ہو کر دلے کے تعلق کی ترکیب بالکل بے مزہ ہو گئی ہے

که بود کے که بگوید بسر اسر اغیار　　طالب لعل و گهر نیست وگرنه خورشید

سلمان — که فلان یار همان یار فلان است که بود　　همچنان در عمل معدن و کان است که بود — حافظ

در ازل عکس مے لعل تو در جام افتاد　　عکس روی تو چو در آئینهٔ جام افتاد
عاشق سوخته دل در طمع خام افتاد　　عارف از پرتو می در طمع خام افتاد

جام کے قافیہ میں حافظ کے اور اشعار ملاحظہ ہوں،

آن شد ای خواجه که در صومعه بازم بینی　　کار ما با رخ ساقی و لب جام افتاد
عشق بر کشتن عشاق تغافل مے کرد　　صوفیان جمله حریفند و نظر باز ولے

سلمان — ای بسی قرعه که زد بر من بدنام افتاد　　زین میان حافظ سودازده بدنام افتاد — حافظ
خال مشکین تو در عارض گندم گون دید　　در خم زلف تو آویخت دل از چاه زنخ

آدم آمد پے دانہ و در دام افتاد    آہ کز چاہ بروں آمد و در دام افتاد

ان آخیر کے دونوں شعروں کے مقابلہ سے بندش کی چستی کا مفہوم تم کو علانیہ واضح ہو جائیگا سلمان کا شعر اگرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل ناموزوں ہے چہرہ کو دام سے کوئی مناسبت نہیں بخلاف اسکے خواجہ صاحب نے ذقن کو چاہ اور زلف کو دام کہا ہے اور یہ عام مسلمہ تشبیہ ہے لیکن سلمان کے شعر میں بندش کی جو چستی ہے خواجہ صاحب کے شعر میں نہیں مصرع آدم آمد پے دانہ و در دام افتاد آدم، دانہ، دام یہ الفاظ ایسی ترتیب اور خوبصورتی اور روانی سے جمع ہو گئے ہیں کہ مصرع میں نہایت برجستگی پیدا ہو گئی ہے خواجہ صاحب کا مصرع نہیں چسپاں ہے اور خصوصاً آمد کے لفظ نے مصرع کو بالکل کمزور کر دیا ہے۔

سلمان — حافظ

دام زلف تو بہر حلقہ طنابے دارد    آں کہ از سنبل او غالیہ تابے دارد
چشم مست تو بہر گوشہ خرابے دارد    باز با دل شدگان ناز و عتابے دارد
خون چشم من ازاں ریخت کہ تا طرہ پرچم    چشم من کرد بہر گوشہ رواں سیل سرشک
کہ بریش مردم صاحب نظر آبے دارد    تا سہی سرو ترا تازہ بہ آبے دارد
رسن زلف تو سر رشتہ جان من و شمع    ماہ خورشید نمائش ز پس پردہ زلف
ہر یکے را ز آتش رخسار تو تابے دارد    آفتابے ہست کہ در پیش سحابے دارد
آنکہ از ابرو و مژہ تیر و کمانے دارد    شاہد آں نیست کہ موے و میانے دارد
چشم ہا کردہ سیہ قصد حجابے دارد    بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

ان مقابلوں سے بندش کی چستی اور زور کا مفہوم اچھی طرح تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا اب خواجہ صاحب کے اشعار ذیل کو اس نظر سے دیکھو۔

آں شمع سرگرفتہ دگر چہرہ برفروخت    واں پیر سالخوردہ جوانی ز سر گرفت
آں عشوہ داد عشق کہ مفتی ز رہ برفت    واں لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت
زنہار ازاں عبارت شیریں دلفریب    گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت

من ایستادہ تا کنمش جان فدا چو شمع | او خود گذر بمن چو نسیم سحر نکرد
ماہی دریغ دوش بخفت از فغان من | وان شوخ دیدہ بین کہ سر از خواب بر نکرد

بالا بلند عشوہ گر سرو ناز من | کوتاہ کرد قصہ زہد دراز من

دیدمش خرم و خندان قدح بادہ بدست | و اندر آن آینہ صدگونہ تماشا می کرد
گفتم این جام جہان بین بتو کے داد حکیم | گفت آن روز کہ این گنبد مینا می کرد

زلفین سیہ خم بہ خم اندر زدہ باز | بخت من شوریدہ بہم بر زدہ باز
ہر شیشہ صبرم زدہ سنگ ولیکن | با تو چہ توان گفت کہ ساغر زدہ باز

ہمارے نزدیک حسن کلام کا بڑا جزو یہی حسن بندش ہے۔ حافظ کا قول ہے کہ مضمون بازاریوں تک کو سوجھتے ہیں، جو کچھ فرق اور امتیاز ہے لطف ادا اور بندش کا ہے سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ ایک مضمون کسی شاعر نے باندھا بعینہ وہی مضمون دوسرے نے باندھا۔ الفاظ تک اکثر مشترک ہیں لیکن لفظوں کے الٹ پلٹ اور ترتیب سے وہی مضمون کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

## شوخی وظرافت

خواجہ صاحب کے کلام میں جا بجا شوخی ظرافت بھی ہے لیکن نہایت لطیف اور نازک ہے شیخ سعدی اور خیام بھی ظرافت کرتے ہیں لیکن زیادہ کھل جاتے ہیں، خواجہ صاحب کی شوخی طبع کی لطافت دیکھو،

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند | قول ما نیز ہمین است کہ او آدم نیست

یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہیں، اسقدر تو ہمکو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہیں، باقی فرشتہ ہے یا شیطان اسکا فیصلہ ہوتا رہیگا

بہ کوی می فروشانش بہ جامی بر نمی گیرند | زہی سجادہ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
گر ز مسجد بخرابات شدم عیب مگیر | مجلس وعظ دراز است و زمان خواہد شد

یعنی میں اگر مسجد سے اٹھکر شراب خانہ میں چلا گیا تو اعتراض کی کیا بات ہے، وعظ تو ابھی دیر تک ہوتا رہیگا، میں ہو کے چلا آؤنگا۔ اس مضمون کو قائم نے اردو میں ادا کیا ہے،

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم | یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

حافظ — محتسب خم شکست و بنده سرش — السن بالسن والجروح قصاص

قرآن مجید میں قصاص کی آیت میں مذکور ہے کہ زخم کا بدلہ زخم ہے مثلاً اگر کوئی کسی کا دانت توڑ ڈالے تو اس کا بھی دانت توڑ ڈالا جائے گا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محتسب نے خم شراب کو توڑ ڈالا تھا میں نے قصاص کے حکم کے موافق اس کا سر توڑ دیا

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت — ناخلف باشم اگر من بجوی نفروشم

میرے باپ (حضرت آدم) نے بہشت کو گیہوں کے بدلہ میں بیچ ڈالا تھا میں اگر ایک جو کے بدلہ میں نہ بیچوں تو ناخلف ہوں

من و انکار شراب این چہ حکایت باشد — غالباً این قدرم عقل کفایت باشد

میں اور شراب کا انکار! غالباً مجھے تو اتنی ہی عقل کافی ہے یعنی یہ سمجھ لوں کہ شراب چھوڑنا مجھکو زیبا نہیں ہے اس سے زیادہ عاقل اور دور اندیش ہونا مجھکو ضرور نہیں

نہ من ز بے عملی در جہاں ملولم و بس — ملامت علما ہم ز علم بے عمل است

میں بیکاری سے (یعنی شراب وغیرہ کا مشغلہ نہیں ہے) دل گرفتہ ہوں بے عمل ہونا برا ہے اسی لئے عالم بے عمل بھی اچھا نہیں ہوتا۔

نقد دلے کہ بود مرا صرف بادہ شد — قلب سیاہ بود بجائے حرام رفت

قلب دل کو بھی کہتے ہیں اور کھوٹے سکہ کو بھی۔ اس بنا پر کہتے ہیں کہ میرا قلب اگر شراب میں صرف ہوا تو ہونا ہی چاہئے تھا۔ ع مال حرام بود بجائے حرام رفت۔

## تسلسل مضامین

ایشیائی غزلگوئی کا ایک بڑا عیب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی خیال کو مسلسل نہیں ظاہر کر سکتے ہر غزل متعدد اور مختلف بلکہ متناقض مضامین کا مجموعہ ہوتی ہے غزل کے جو مہمات مضامین ہیں مثلاً حسن و عشق سراپائے معشوق وصل و ہجر ہزاروں دفعہ بندھ چکے ہیں لیکن ان میں سے کسی مضمون کی نسبت کوئی مسلسل اور تفصیلی بیان کہیں نہیں مل سکتا اگرچہ حقیقت میں یہ چنداں اعتراض کی بات نہیں مسلسل خیالات کے لئے مثنوی کی صنف متعین کر دی گئی ہے قصائد اور قطعات سے یہ کام بھی لیا جاتا ہے غزل اس غرض کیلئے

خاص کردی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مفرد خیالات جو شاعر کے دل میں آتے رہتے ہیں ضائع نہ جانے پائیں اس صنف کیلئے قادرالکلامی درکار ہے، یورپ کو اپنی شاعری پر ناز ہے لیکن وہ کسی خیال کو دو چار شعروں سے کم میں نہیں ادا کرسکتے بخلاف اسکے ہمارے شعرا نہ صرف چھوٹی چھوٹی باتیں بلکہ نہایت وسیع اور بڑے مضامین کو بھی ایک شعر میں ادا کردیتے ہیں جو اختصار کی وجہ سے فوراً زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مضامین ایسے ہوتے ہیں جو نہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے مثنوی یا قصائد کی وسعت درکار ہو نہ اتنے مختصر کہ ایک دو شعر و میں سما جائیں لئے اس قسم کے مضامین کیلئے غزلیں ہی مناسب ہیں اس صورت میں ضرور ہے کہ غزل مسلسل ہو یعنی پوری غزل یا غزل کے متعدد اشعار ایک مضمون کیلئے خاص کردئے جائیں اس قسم کی غزل کا رواج اگرچہ عام نہیں ہوا تاہم جستہ جستہ پائے جاتے ہیں اور سب سے پہلے خواجہ صاحب نے اسکو ترقی دی انکی اکثر غزلوں میں ایک خاص خیال یا ایک خاص سماں دکھایا گیا ہے اس قسم کی چند غزلوں کے مطلع ہم نقل کرتے ہیں۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند ۔۔۔ وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

بود آیا کہ در میکدہا بکشایند ۔۔۔ گرہ از کار فروبستۂ ما بکشایند

بامدادان کہ بہ خلوت گہ کاخ ابداع ۔۔۔ شمع خاور فگند بر ہمہ اطراف شعاع

ای پیک پی خجستہ چہ نامی فدیتک ۔۔۔ ہرگز سیاہ چردہ ندیدیم بہ این نمک

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت ۔۔۔ ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

کنوں کہ در چمن آمد گل از عدم بہ وجود ۔۔۔ بنفشہ در قدم او نہاد سر بہ سجود

(بہار کے ذکر میں) یاد باد آں کہ نہانت نظرے با ما بود ۔۔۔ رقم مہر تو بر چہرۂ ما پیدا بود

پوری غزل میں پہلی دلچسپیوں کو یاد دلایا ہے، اور ہر شعر یاد سے شروع ہوتا ہے

خوشا شیراز و وضع بے مثالش ۔۔۔ خداوندا نگہدار از زوالش

(شیراز کی تعریف میں) نسیم صبح سعادت بداں نشاں کہ تو دانی ۔۔۔ گذر بکوئے فلاں کن براں زماں کہ تو دانی

(قاصد سے پیغام کہلا بھیجا) ۔۔۔ تمت

# عجائب الاسفار یعنی

سفر نامہ

# شیخ ابن بطوطہ

یہ وہ سفر نامہ ہی جو ۱۸۹۸ء میں دار الاشاعت پنجاب سے شایع ہو کر نہایت مقبول ہوا تھا اب دوبارہ نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت کیساتھ باجازت جناب مصنف خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب سشن جج پنشنر ہمنے شایع کیا ہی یہ سفر نامہ جناب موصوف نے اصل عربی سے ترجمہ کر کے اور بیش بہا حواشی سے مزین کیا ہی اور اصل کتاب کو جو تاریخی نقطۂ نظر سے ایک خاص اہمیت رکھتی ہی چار چاند لگا دئے ہیں ضخامت ۵۰۸ صفحے قیمت اصلی [illegible] رعایت خاص سے [illegible]

# قصیدہ بردہ شریف

قیمت ۶؍

عربی معہ ترجمہ فارسی اور اردو مترجمہ خان بہادر پیرزادہ محمد حسین فائض صاحب ایم اے پنشنر سشن جج

# مثنوی عقد گوہر یعنے موتیوں کا ہار

مثنوی مولینا روم علیہ الرحمۃ کی حکایتوں کا سلیس اردو نظم میں ترجمہ جناب خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب ایم اے سی آئی ای سابق سشن جج کے قلم حقیقت رقم سے جو عورتوں اور بوڑھوں اور بچوں کیلئے یکساں مفید ہے پیرایہ ایسا دلکش کہ پڑھنے سے دل نہ اکتائے لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ چکنا ضخامت ۱۲۰ صفحے قیمت اصلی ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

**شیخ نذیر حسین و حافظ شریف حسین مالکان رحمانی پریس دہلی**